سیّد الشہدا
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ
اور
یزیدیت
تصنیف وتالیف
خادم سلطان الفقر
حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن
مدظلہ الاقدس

بسم اللہ الرحمن الرحیم
سیّد الشہدا
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ
اور
یزیدیت
خادم سلطان الفقر
حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن
مدظلہ الاقدس

نام کتاب: سیّد الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ اور یزیدیت

تصنیفِ لطیف: خادم سلطان الفقر
حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس

ناشر: سُلطان الفقر پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) لاہور

پرنٹر: آر۔ٹی پرنٹرز لاہور

بارِاوّل: نومبر 2013ء

تعداد: 1000

قیمت: 150 روپے

ISBN: 978-969-9795-11-4

سُلطان الفقر پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) لاہور

سُلطان الفقر ہاؤس

A/4-5-ایکسٹینشن ایجوکیشن ٹاؤن وحدت روڈ ڈاکخانہ منصورہ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 54790

Ph: 042-35436600, 0322-4722766

www.sultanulfaqrpublications.com

www.sultanulfaqr@tehreekdawatefaqr.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چرچا ہے جہاں میں تیری تسلیم و رضا کا
زیبا ہے لقب تجھ کو امام الشہدا کا

نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ایسی تعلیمات کے ساتھ دنیا میں تشریف لائے جو ہر قسم کے استحصالی اور ظالمانہ نظام کو ختم کر دینے والی تھیں۔ آپ ﷺ نے عہدِ رسالت میں اخوت اور مساوات کا ایسا نظام قائم کیا جسے خلفائے راشدین نے قیصر و کسریٰ کے ممالک تک وسیع کر دیا۔ حضورِ اکرم ﷺ کے وصالِ مبارک سے لے کر نصف صدی تک یہ نظام پوری کامیابی کے ساتھ چلتا رہا۔ پچاس سال بعد اس پر قیصریت اثر انداز ہونے لگی۔ عدل و انصاف کی جگہ ظلم و استبداد، اخوت و مساوات کی جگہ طبقاتی نظام، شورائیت کی جگہ آمریت اور ملوکیت لینے لگی۔ عوامی حقوق کو پس پشت ڈال کر خاندانی مراعات حاصل کی جانے لگیں۔ عبادات کی ظاہریت کو برقرار رکھتے ہوئے اُس کی روح کو نظر انداز کیا جانے لگا جبکہ بظاہر صوم و صلوٰۃ کی پابندی بھی ہو رہی تھی لیکن صرف ظاہری مظاہرہ کے طور پر۔ فرعونیت یزیدیت کے روپ میں ظاہر ہو چکی تھی۔ یہ صورتِ حال، امامِ وقت، انسانِ کامل خلافتِ الٰہیہ اور امانتِ الٰہیہ کے حامل امام حسین رضی اللہ عنہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ یزیدیت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے نصب العین کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی۔

''لوگو رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے، جو خدا کی قائم کی ہوئی حدیں توڑتا ہے اور دیکھنے والا دیکھنے پر بھی نہ تو اپنے فعل سے اور نہ قول سے اس کی مخالفت کرتا ہے۔ سو ایسے لوگوں کا اچھا ٹھکانہ نہ ہوگا۔ دیکھو یہ لوگ شیطان کے پیرو بن گئے ہیں۔ رحمٰن سے سرکش ہو گئے ہیں۔ فساد ظاہر ہے، حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرایا جا رہا ہے۔ میں ان کی سرکشی کو حق و عدل سے بدل دینے کا سب سے زیادہ مستحق ہوں۔''

ولادت

5 شعبان 4ھ میں امامِ عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے لعابِ دہن سے آپ رضی اللہ عنہ کو گھٹی دی۔ آپ کے کان میں اذان دی۔ آپ کے منہ میں لعابِ دہن ڈالا اور آپ رضی اللہ عنہ کیلئے دعا کی۔ ساتویں دن آپ کا نام حسینؓ رکھا اور عقیقہ کیا گیا۔

مقامِ حسینؓ

سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے نواسے، امام المومنین امام المتقین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے جگر گوشے ہیں۔ نسبی لحاظ سے امام عالی مقامؓ کا رتبہ اتنا بلند ہے کہ کائنات کا کوئی انسان آپ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

- حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں۔ اے اللہ! جو حسینؓ سے محبت رکھے اسے محبوب رکھ۔ حسینؓ نواسوں میں سے ایک نواسہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے:-

- جسے یہ پسند ہو کہ کسی جنتی مرد کو دیکھے (ایک روایت میں ہے) جنتی جوانوں کے سردار کو دیکھے وہ حسینؓ بن علیؓ کو دیکھے۔
- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہوئے اور فرمایا چھوٹا بچہ کہاں ہے؟ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ چلتے ہوئے آئے اور آغوشِ رسالت

میں گر گئے اور اپنی انگلیاں داڑھی مبارک میں داخل کر دیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کا منہ کھول کر بوسہ لیا پھر فرمایا:

’’اے اللہ میں اسے محبوب رکھتا ہوں تو بھی اسے محبوب رکھ اور اس کے محبّ کو محبوب رکھ‘‘۔

انہی سے روایت ہے:

’’میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کا لعابِ دہن اس طرح چوستے ہوئے دیکھا جس طرح آدمی کھجور چوستا ہے۔‘‘

ان سے یہ بھی روایت ہے:

’’حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بہت زیادہ مشابہ تھے۔‘‘

- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس نے حسنؓ اور حسینؓ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ (امام احمد)

- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہٗ، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ جو تم سے جنگ کرے میری اس سے جنگ ہے اور جو تم سے صلح رکھے میری اس سے صلح ہے۔ (امام احمد)

- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ فرماتے سنا ہے کہ جس کو مجھ سے محبت ہو وہ ان دونوں سے محبت کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہٗ کعبہ شریف کے سائے میں تشریف فرما تھے انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا اور فرمایا:

''آج یہ آسمان والوں کے نزدیک تمام زمین والوں سے زیادہ محبوب ہیں''۔

بیعتِ یزید سے انکار

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور خاتونِ جنت سیّدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی۔ آپ رضی اللہ عنہٗ نے پیدل چل کر پچیس حج کیے۔ آپ رضی اللہ عنہٗ بڑی فضیلت کے مالک تھے اور کثرت سے نماز، روزہ، حج، صدقہ اور دیگر امورِ خیر ادا فرماتے تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ مدینہ طیبہ میں قیام پذیر رہے یہاں تک کہ اپنے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ کوفہ تشریف لے گئے۔ ان کے ہمراہ جنگِ جمل میں پھر جنگِ صفین میں پھر خوارج کی جنگ میں شریک ہوئے پھر اپنے بھائی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہٗ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہٗ امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوگئے تو آپ رضی اللہ عنہٗ اپنے برادرِ محترم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہٗ کے ساتھ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور حضرت امیر معاویہؓ کے وصال تک وہیں رہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے یزید کی بیعت لے چکے تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہٗ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہٗ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہٗ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کے سوا تمام عالمِ اسلام نے یزید کی بیعت کر لی تھی۔ یزید عیش وعشرت کا دلدادہ، سیر و شکار کا شوقین، شریعت اور احکامِ شریعت سے بے بہرہ، غرض کہ ہر عیب اس میں موجود تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ کی وفات پر رجب 60ھ میں تخت نشین ہوا۔ تخت نشین ہوتے ہی یزید نے سب سے پہلے ان بزرگوں سے بیعت لینے کی جانب توجہ مبذول کی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہٗ وفات پا چکے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہٗ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہٗ نے جب دیکھا کہ یزید کی بیعت تمام عام مسلمانوں

نے کر لی ہے تو انہوں نے بھی بیعت کر لی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت باقی تھی۔ یزید کو ان دونوں سے بہت خطرہ تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ اگر ان میں سے کسی ایک نے بھی خلافت کا دعویٰ کیا تو حجاز اور عراق کی اکثریت لازماً ان کا ساتھ دے گی۔ اس ضمن میں اس نے مروان بن حکم سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ بلا تاخیر دونوں کو بلا کر بیعت لو اگر ذرا بھی پس و پیش کریں تو قتل کر دو۔

یزید نے مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ بن ابوسفیان کو خط لکھا کہ فوراً ان دونوں سے بیعت لی جائے۔ ولید نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور یزید کا خط دکھا کر بیعت کی درخواست کی۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے ولید! یزید کی بیعت سے میرا صاف انکار ہے۔ میرا وہ سر جو شب و روز بارگاہِ ایزدی میں جھکا رہتا ہے، وہ اسلام کے ایک دشمن کے آگے نہیں جھک سکتا ہے اور جس نے فاطمہؓ کا پاک دودھ پیا ہے وہ ایک باطل پرست انسان کی اطاعت نہیں کر سکتا ہے' اور حسین (رضی اللہ عنہ) آج امانتِ الٰہیہ میں خیانت کرنے والے اور دین کی حدوں کو توڑنے والے یزید کی بیعت کر کے آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے اسلام کی بے حرمتی کا راستہ نہیں کھول سکتا۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت سے انکار کر کے واپس تشریف لے آئے آپ رضی اللہ عنہ کے جانے کے بعد مروان بن حکم نے ولید کو ہر قسم کا لالچ دے کر اور پھر معزول ہو جانے کا خوف دلا کر بہکانے کی سر توڑ کوشش کی مگر ولید بن عتبہ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حرمتِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم سے اچھی طرح واقف تھا اس لیے ولید نے مروان کو جواب دیا کہ یہ ٹھیک ہے کہ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یزید کی بیعت کے لیے مجبور کر کے یا پھر قتل کر کے مجھے بہت سا انعام ملے گا مگر میں ان تمام چیزوں سے بے نیاز ہوں اور مجھے معزول ہونا تو منظور ہے لیکن

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے دوزخ کی آگ کا ایندھن بننا منظور نہیں ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حجرۂ اقدس سے باہر تشریف لائے اور نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منبر پاک پر جلوہ افروز ہو گئے اور خطبہ ارشاد فرمایا ’’

اے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان رکھنے والو! میرے نانا کا پاک کلمہ پڑھنے والو اور نظامِ قرآن پر یقین رکھنے والو! مجھے یزید کا خط آیا ہے کہ میری امامت اور خلافت کو تسلیم کر لو مگر کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ فاسق اور فاجر ہے، زانی اور شرابی ہے اور اسلام کا باغی اور دین کا دشمن ہے اس لیے میں اپنا سب کچھ قربان کر دوں گا مگر اسلام کے باغی کی بیعت نہیں کروں گا۔‘‘

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لعل خطبہ دینے اور اپنا فیصلہ سنانے کے بعد اپنے حجرۂ پاک میں واپس آ گئے اور پھر ایک رات ایسی بھی آئی جب کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی پیاری بہن سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ سے کوچ کرنے کے لیے رختِ سفر باندھنے کا حکم دے دیا۔ مدینے والوں نے اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے اس مقدس قافلے کو مدینے سے رخصت ہوتے ہوئے دیکھا تو ایک کہرام مچ گیا، ایک حشر برپا ہو گیا اور ایک قیامت آ گئی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بیعت کیلئے طلب کیا گیا تو انہوں نے ایک روز کی مہلت مانگی اور راتوں رات مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ ولید نے تعاقب میں آدمی بھیجے مگر وہ ہاتھ نہ آئے اور مکہ پہنچ کر حرم میں پناہ لے لی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بمع اہل و عیال مکہ مکرمہ چلے گئے کیونکہ مدینہ منورہ میں یزید کی بیعت کے بغیر قیام ناممکن تھا اور اس غیر شرعی بیعت کو وہ کسی قیمت پر بھی تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔

کوفیوں کے خطوط اور حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی کوفہ روانگی

کوفہ والے اہلِ بیت کو خلافت کا حق دار سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب امیر معاویہؓ کی وفات اور یزید کی

تخت نشینی کا حال سنا تو ایک رئیس سلیمان بن حرو کے گھر جمع ہوئے اور باہمی مشورہ سے طے کیا کہ یزید کی خلافت سے انکار کر کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی جائے۔ اسی اثناء میں انہیں خبر ملی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیعت کو تسلیم نہیں کیا اور مدینہ کی رہائش ترک کر کے اہل وعیال سمیت مکہ پہنچ گئے ہیں چنانچہ کوفہ والوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاں بلاوے کے لگاتار خطوط بھیجنے شروع کر دیئے۔ چند معززین نے خود حاضر ہو کر بھی کوفہ چلنے کی درخواست کی۔ اس پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو حقیقتِ حال کا جائزہ لینے کیلئے کوفہ بھیجا اور کہا کہ اگر حالات سازگار ہوں اور کوفہ کے تمام رؤساء اور شرفاء میری بیعت پر متفق ہوں تو مجھے اطلاع دیں تاکہ میں وہاں آ جاؤں۔ اس وقت حضرت نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ (صحابی) کوفہ کے گورنر تھے۔ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور وہاں سے دو راہنما ساتھ لے کر کوفہ پہنچے اور عوسجہ کے گھر قیام پذیر ہوئے۔ جب اہلِ کوفہ کو آپ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو بارہ ہزار افراد نے آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ اس کی اطلاع آپ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کر دی اور کوفہ آنے کا مشورہ دیا۔

یہ حالات دیکھ کر یزید نے اپنے غلام سرحون کو بلا کر اس سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کوفہ کیلئے بصرہ کے گورنر عبیداللہ بن زیاد سے بہتر اور کوئی شخص نہیں ہے۔ یزید عبیداللہ بن زیاد سے ناراض تھا اور اسے بصرہ سے معزول کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ یزید نے عبیداللہ بن زیاد کو خط لکھا اور اپنے راضی ہونے کی اطلاع دی اور کہا ''تمہیں کوفہ کا گورنر مقرر کیا جاتا ہے'' اور اسے حکم دیا کہ مسلم بن عقیلؓ کو تلاش کرو، اگر مل جائیں تو انہیں قتل کر دو۔

عبیداللہ بن زیاد بصرہ کے چیدہ افراد کے ساتھ روانہ ہوا اور اس حال میں کوفہ پہنچا کہ اس نے نقاب پہنی ہوئی تھی (وہ اہلِ کوفہ کو یہ مغالطہ دینا چاہتا تھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تشریف لا رہے ہیں)۔ وہ جس کے پاس سے گزرتا، اسے سلام کہتا۔ اہلِ مجلس اس گمان پر کہ حضرت امام

حسین بن علی رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے ہیں' اسے کہتے اے ابنِ رسول اللہ! آپ رضی اللہ عنہ پر سلام ہو۔ جب عبیداللہ بن زیاد گورنر ہاؤس میں اترا تو اس نے اپنے ایک غلام کو تین ہزار درہم دیئے اور کہا جاؤ اہلِ کوفہ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کرو جس شخص کی وہ بیعت کر رہے ہیں۔ اس کے پاس جاؤ اور اسے یہ بتاؤ کہ میں اہلِ حمص میں سے ہوں' اسے یہ مال پیش کرو اور اس کی بیعت کر لو۔ وہ غلام لوگوں میں گھل مل گیا حتیٰ کہ انہوں نے اس کی راہنمائی ایک شیخ کی طرف کی جس کے سپرد بیعت کا معاملہ تھا۔ غلام نے اس سے بات کی' اس شیخ نے کہا مجھے اس بات سے خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی ہے اور اس بات کا غم ہے کہ ہمارا معاملہ ابھی مضبوط نہیں ہے' پھر وہ اسے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا' اس نے ان کی بیعت کی' نذرانہ پیش کیا اور نکل کر عبیداللہ بن زیاد کے پاس پہنچا اور اسے تمام صورتِ حال بتادی۔

عبیداللہ بن زیاد کی آمد پر حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اس گھر سے دوسرے گھر منتقل ہو گئے اور ہانی بن عروہ مرادی کے پاس قیام کیا۔ عبیداللہ نے اہلِ کوفہ سے کہا کیا سبب ہے کہ ہانی بن عروہ میرے پاس نہیں آیا؟ چنانچہ محمد بن اشعث کوفہ کے چند سر کردہ افراد کے ساتھ اس کے پاس گیا' دروازے پر ہی اس سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے کہا امیر نے تمہیں یاد کیا ہے اور تمہاری غیر حاضری کو محسوس کیا ہے لہٰذا اس کے پاس چلو۔ وہ سوار ہو کر ان کے ساتھ ہو لیا اور عبیداللہ بن زیاد کے پاس پہنچ گیا۔ جب اس نے سلام کیا تو عبیداللہ بن زیاد نے پوچھا مسلم بن عقیلؓ کہاں ہیں؟ اس نے کہا مجھے علم نہیں' عبیداللہ بن زیاد نے اس غلام کو پیش کیا جس نے حضرت مسلم بن عقیلؓ کو درہم پیش کئے تھے۔ ہانی نے جب غلام کو دیکھا تو اُسے قبول کرتے ہی بنی۔ عبیداللہ بن زیاد نے کہا انہیں میرے پاس لاؤ! وہ ایک لمحے کیلئے ہچکچایا تو اس نے اسے اپنے پاس بلایا اور ایک چابک رسید کیا اور حکم دیا کہ اسے قید کر دیا جائے۔ یہ اطلاع ہانی کی قوم کو پہنچی تو وہ محل کے دروازے پر اکٹھے ہو گئے۔ عبیداللہ بن زیاد نے ان کا شور و غوغا سنا تو کوفہ کے ایک سر کردہ فرد

سے کہا انہیں باہر جا کر بتاؤ کہ میں نے اسے صرف اس لیے نظر بند کیا ہے کہ اس سے حضرت مسلم بن عقیل ؓ کے بارے میں معلومات حاصل کروں۔ جب اس نے انہیں بتایا تو وہ واپس چلے گئے۔

جب یہ اطلاع حضرت مسلم بن عقیل ؓ کو پہنچی تو انہوں نے اعلان کروا دیا۔ اس اعلان پر چالیس ہزار کوفی جمع ہو گئے (سماں ایسا بندھا کہ آپ ؓ کے ایک حکم پر گورنر ہاؤس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جاتی لیکن آپ ؓ نے صبر و تحمل سے کام لیا تاکہ پہلے گفتگو سے اتمامِ حجت کر لیا جائے)۔ عبید اللہ بن زیاد نے کوفہ کے سرکردہ افراد کو محل میں بلایا اور انہیں حکم دیا کہ اپنے اپنے قبیلے سے گفتگو کر کے اپنے اپنے قبیلے کے افراد کو واپس بھیج دو۔

چنانچہ انہوں نے گفت و شنید کی تو کوفی ایک ایک کر کے کھسکنے لگے۔ جب شام ہوئی تو حضرت مسلم بن عقیل ؓ کے ساتھ بہت کم لوگ رہ گئے اور جب اندھیرا ذرا گہرا ہوا تو وہ بھی چلے گئے۔ جب آپ ؓ تنہا رہ گئے تو رات کی تاریکی میں چل پڑے۔ ایک بڑھیا کے دروازے پر پہنچے اور اسے کہا مجھے پانی پلاؤ' اس نے پانی پلایا' جب آپ ؓ پھر بھی کھڑے رہے تو اس نے کہا بندۂ خدا کیا بات ہے مجھے تم پریشان دکھائی دیتے ہو۔ آپ ؓ نے فرمایا ہاں! یہی بات ہے۔ میں مسلم بن عقیل ؓ ہوں' کیا تمہارے پاس مجھے پناہ مل سکتی ہے؟ اس نے کہا ہاں تشریف لائیے۔

اس عورت کا ایک بیٹا محمد بن اشعث کا گرگا تھا' اس نے جا کر محمد بن اشعث کو خبر دے دی۔ حضرت مسلم بن عقیل ؓ کو اس وقت اطلاع ہوئی جب اس گھر کا محاصرہ کیا جا چکا تھا۔ آپ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو اپنے تحفظ کیلئے تلوار لیکر باہر نکلے' محمد بن اشعث نے آپ کو پناہ دے دی اور اپنے ساتھ لیکر عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہنچا' عبید اللہ بن زیاد کے حکم پر آپ کو محل کی چھت سے گرا کر شہید کر دیا گیا۔ ہانی بن عروہ کو بھی قتل کر دیا گیا۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے معصوم بچوں محمد رضی اللہ عنہ (عمر 8 سال) اور ابراہیم رضی اللہ عنہ (عمر 6 سال) کو بھی شہید کر دیا گیا۔

امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کی کوفہ روانگی

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کا خط آنے کے بعد امامِ عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفیوں کی درخواست قبول فرمانے میں کوئی وجہ تامل و جائے عذر باقی نہیں رہی تھی۔ ظاہری شکل تو یہ تھی اور حقیقت میں قضا و قدر کے فرمان نافذ ہو چکے تھے، شہادت کا وقت قریب آ چکا تھا۔ جذبۂ شوق دل کو کھینچ رہا تھا۔ فدا کاری کے ولولوں نے دل کو بے تاب کر دیا تھا۔ حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے سفرِ عراق کا ارادہ فرمایا اور اسبابِ سفر درست ہونے لگا۔ اگرچہ بظاہر کوئی خطرناک صورتِ حال درپیش نہیں تھی اور حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے خط سے کوفیوں کی عقیدت و ارادت اور ہزار ہا آدمیوں کے حلقہ بیعت میں داخل ہونے کی اطلاع مل چکی تھی۔ عذر اور جنگ کا بظاہر کوئی امکان نہ تھا۔ لیکن صحابہؓ کے دل اس وقت حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کے سفر کو کسی طرح گوارا نہیں کر رہے تھے اور وہ حضرت امامِ عالی مقامؓ سے اصرار کر رہے تھے کہ آپ اس سفر کو ملتوی فرمائیں مگر حضرت امام رضی اللہ عنہ ان کی یہ استدعا قبول فرمانے سے مجبور تھے کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ کوفیوں کی اتنی بڑی جماعت کا اس قدر اصرار اور ایسی التجاؤں کے ساتھ عرضداشتیں قبول نہ فرمانا اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے اخلاق کے شایانِ شان نہیں۔ اس کے علاوہ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے پہنچنے پر اہلِ کوفہ کی طرف سے کوئی کوتاہی نہ ہونا اور امام کی بیعت کیلئے شوق سے ہاتھ بڑھا دینا اور ہزاروں کوفیوں کا حلقہ غلامی میں داخل ہو جانا اس پر بھی حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کا ان کی طرف سے بے رخی فرمانا اور ان کی التجاؤں کو قبول نہ کرنا اور رد کر دینا حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کے شایانِ شان نہ تھا کہ مسلمانوں کا اتنا بڑا گروہ یزیدیت کے فتنہ کے خلاف

کھڑا ہونے کے لیے دعوت دے رہا ہو اور آپ رضی اللہ عنہٗ بے رخی اختیار فرمائیں یہ کیسے ممکن تھا۔

آپ رضی اللہ عنہٗ امامِ وقت، انسانِ کامل تھے اور خلافتِ باطنیہ پر فائز تھے' اِس لیے ایک تو آپ رضی اللہ عنہٗ یزید کی بیعت نہ کر سکتے تھے اور دوسرے آپ رضی اللہ عنہٗ اگر اس وقت مسلمانوں کی دعوت پر یزیدیت کے خلاف کھڑے نہ ہوتے تو قیامت تک کے لیے یزیدیت کو دوام حاصل ہو جاتا اور اسلام اور یزیدیت میں کوئی فرق نہ رہتا اس لیے اہلِ کوفہ کی دعوت پر آپ رضی اللہ عنہٗ کا کوفہ کی طرف جانا حق تھا اور نواسۂ رسول پر یہ سب سے بڑی ذمہ داری آن پڑی تھی کہ خلافت اور ملوکیت' خلافت اور بادشاہت' خلافت اور گمراہی' خلافت اور ظلم' حق اور باطل کے درمیان فرق کو دنیا پر آشکار کرنے کے لیے اور دینِ حق کی سلامتی کے لیے میدانِ حق میں یزیدیت کے خلاف ڈٹ جائیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت جابر بن عبداللہ' حضرت ابوسعید خدری اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ کو روکنے پر بہت مصر تھے اور آخر تک وہ یہی کوشش کرتے رہے کہ آپ مکہ مکرمہ سے تشریف نہ لے جائیں۔ لیکن یہ کوششیں کارآمد نہ ہوئیں اور حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ نے ۳ ذوالحجہ ۶۰ھ کو حج کو عمرہ میں بدل کر اپنے اہلِ بیتؓ اور خدام کل بہتر (72) نفوس کو ہمراہ لیکر راہِ عراق اختیار کی۔ روانگی سے قبل اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

''جو شخص راہِ خدا میں جان قربان کرنا چاہے۔ موت کا مشتاق اور لقائے الٰہی کا طالب ہو وہ میرے ساتھ چلے۔''

لیکن آپ رضی اللہ عنہٗ کے اصحاب میں سے کسی نے بھی آپ رضی اللہ عنہٗ کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ اور مکہ مکرمہ سے اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کا یہ چھوٹا سا قافلہ روانہ ہوتا ہے۔

ذاتِ عرق کے مقام پر بشیر ابنِ غالب اسدی کوفہ سے آتے ملے۔ حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ نے ان سے اہلِ عراق (کوفہ) کا حال دریافت کیا۔ عرض کیا کہ انکے قلوب آپ کے ساتھ ہیں

اور تلواریں یزید کے ساتھ اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے فرمایا سچ ہے۔ ایسی ہی گفتگو فرزوق شاعر سے ہوئی بطن الرمہ (ایک مقام کا نام) سے روانہ ہونے کے بعد عبید اللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی اس نے حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ سے بہت درخواست کی کہ آپ اس سفر کو ترک فرمادیں اور انہوں نے بہت اندیشے ظاہر کئے۔ حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا۔

ترجمہ: ہمیں وہی مصیبت پہنچ سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقرر فرمادی ہے۔

راہ ہی میں حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کو کوفیوں کی بدعہدی اور حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر مل گئی۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

''لوگو! تم میں سے جو تلواریں کھا سکتا ہو اور تیروں کی دعوت برداشت کر سکتا ہو وہ میرے ہمراہ رہے ورنہ واپس لوٹ جائے''۔

لیکن اس بار بھی کوئی جانثار واپس جانے کے لئے تیار نہ ہوا۔ کیونکہ عشق کا سفر تو عاشق کشتیاں جلا کر ہی کرتے ہیں اور عاشق کی واپسی کے راستے تو بند ہوتے ہیں، اس نے تو آگے ہی آگے بڑھنا ہوتا ہے۔

کربلا میں آمد

جب کوفہ دو منزل رہ گیا تب آپ کو حر بن یزید ریاحی ملا جس کے ساتھ عبید اللہ بن زیاد کے ایک ہزار ہتھیار بند سوار تھے۔ حر نے حضرت امام رضی اللہ عنہ کی جناب میں عرض کیا کہ اس کو عبید اللہ بن زیاد نے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو اس کے پاس لے چلے۔ حر نے یہ بھی ظاہر کیا کہ وہ مجبوراً اور بادلِ نخواستہ آیا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس جرأت

پر بہت شرم سار ہے۔ حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے حر سے فرمایا کہ میں اس شہر میں خود بخود نہیں آیا بلکہ مجھے بلانے کیلئے اہلِ کوفہ کے متواتر پیام گئے اور لگاتار التجا نامے پہنچتے رہے۔

حر نے قسم کھا کر کہا کہ ہم کو اس کا کچھ علم نہیں کہ آپ کے پاس التجا نامے اور قاصد بھیجے گئے اور نہ میں آپ کو چھوڑ سکتا ہوں اور نہ واپس ہو سکتا ہوں۔ حر کے دل میں خاندانِ نبوت اور اہلِ بیتؓ کی محبت موجود تھی اور اس نے نمازوں میں حضرت امام رضی اللہ عنہ ہی کی اقتدا کی لیکن وہ عبیداللہ بن زیاد کے حکم سے مجبور تھا اور اس کو یہ اندیشہ بھی تھا کہ وہ اگر حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی رعایت کرے گا تو ابنِ زیاد پر یہ بات ظاہر ہو کر رہے گی کیونکہ ہزار سوار ساتھ ہیں ایسی صورت میں کسی بات کا چھپانا ممکن نہیں اور اگر ابنِ زیاد کو معلوم ہوا کہ حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ذرا بھی نرمی کی گئی ہے تو وہ نہایت سختی کے ساتھ پیش آئے گا۔ اس اندیشہ اور خیال سے حر اپنی بات پر اڑا رہا یہاں تک کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی راہ سے ہٹ کر کربلا میں نزول فرمانا پڑا۔

اس موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے پھر اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

''صورتِ حال جو پیش آئی ہے وہ تم دیکھ رہے ہو اور یقیناً دنیا کا رنگ بدل گیا ہے اور اس کی نیکی رخصت ہو چکی ہے اور اس میں کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ سوائے تھوڑے حصے کے جو پانی بہنے کے بعد برتن میں بچ رہتا ہے اور معمولی زندگی مثل زہریلی گھاس کے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہوتا اور باطل سے علیحدگی اختیار نہیں کی جاتی۔ اس صورت میں مومن یقیناً ''لقائے الٰہی'' کا آرزو مند ہوتا ہے۔ میرے نزدیک تو موت کی صورت میں شہادت کی سی نعمت ہے۔ ان ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا خود ایک بہت بڑا ظلم ہے۔''

سبحان اللہ! کیسا امام ہے جو ہر لمحہ اپنے عاشقوں کو آگاہ کر رہا ہے ہر امتحان سے، ہر آزمائش سے اور یا اللہ یہ کیسے عاشق ہیں جو ہر لمحہ تیار ہو رہے ہیں ایک نئے امتحان اور ایک نئے

آزمائش کے لیے۔

اب وہ مقام آ پہنچا۔ امتحان گاہ آ پہنچی۔ قربانی کی جگہ آ پہنچی۔

یہ محرم ۶۱ھ کی دو تاریخ تھی۔ آپ نے اس مقام کا نام دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس جگہ کو کربلا کہتے ہیں۔ حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کربلا سے واقف تھے اور آپ کو معلوم تھا کہ کربلا ہی وہ جگہ ہے جہاں اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کو راہِ حق میں اپنے خون کی ندیاں بہانی ہوں گی۔ آپ کو انہی دنوں میں حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور علیہ الصلوات والتسلیمات نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہادت کی خبر دی اور آپ کے سینۂ مبارک پر دستِ اقدس رکھ کر دعا فرمائی۔

آزمائشِ عاشقاں

عجیب بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرزند کو ہزاروں درخواستوں اور التجاؤں سے بلایا جاتا ہے اور جب انہی درخواستوں پر مہمان ذی وقار تشریف لے آتا ہے تو انہی بے غیرت اور بے حیا کوفیوں کا مسلح لشکر سامنے آتا ہے اور نہ شہر میں داخل ہونے دیتا ہے نہ اپنے وطن کو واپس جانے دیتا ہے یہاں تک کہ اس معزز مہمان کو مع اپنے اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے کھلے میدان میں قیام کرنا پڑتا ہے اور دشمنان کو غیرت نہیں آتی۔ دنیا میں ایسے معزز مہمان کے ساتھ ایسی بے حمیتی کا سلوک کبھی نہ ہوا ہوگا جو کوفیوں نے حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔

کوفہ کے لوگوں کی فطرت کا نقشہ عدی بن حاتم نے اس طرح کھینچا ہے: ''آسودگی اور خوشحالی کے زمانہ میں ان کی زبان مثلِ برمے کے تیز اور کام پڑنے کے وقت لومڑی کی طرح مکر و حیلہ کرنے میں مشتاق ہیں۔'' دغا بازی، بے وفائی اور وعدہ کر کے پھر جانا اور بیعت کر کے توڑ دینا اُن کی فطرت تھی۔

ایک طرف ان مسافران بے وطن کا سامان بے ترتیب پڑا ہے اور ادھر ہزاروں سواروں کا مسلح لشکر مقابلے میں خیمہ زن ہے جو اپنے مہمانوں کو نیزوں کی نوکیں اور تلواروں کی دھاریں دکھا رہا ہے اور بجائے آدابِ میزبانی کے خونخواری پر تلا ہوا ہے۔ دریائے فرات کے قریب دونوں لشکر تھے اور دریائے فرات کا پانی دونوں لشکروں میں سے کسی کو سیراب نہ کر سکا۔ امامِ عالی مقامؓ کے لشکر کو تو اس کا ایک قطرہ پہنچنا ہی مشکل ہو گیا اور یزیدی لشکر جتنے آتے گئے ان سب کے دِل میں اہلِ بیت کے بے گناہ خون کی پیاس بڑھتی گئی۔ فرات کے پانی سے ان کی پیاس نہ بجھی۔ ابھی اطمینان سے بیٹھنے اور تھکان دور کرنے کی صورت بھی نظر نہ آئی تھی کہ حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ابنِ زیاد کا ایک مکتوب پہنچا جس میں اس نے حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ سے یزید ناپاک کی بیعت طلب کی تھی۔ حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے وہ خط پڑھ کر ڈال دیا اور قاصد سے کہا میرے پاس اس کا کچھ جواب نہیں۔

ظلم تو یہ ہے کہ بلایا جاتا ہے بیعت ہونے کے لیے اور جب شہزادہ ذی وقار مسافرت کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے پہنچ جاتا ہے تو اسے یزید کی بیعت پر مجبور کیا جاتا ہے جس کی بیعت کو کوئی بھی واقفِ حال دین دار آدمی گوارا نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ بیعت کسی طرح جائز تھی۔ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کو ان بے حیاؤں کی اس جرأت پر حیرت تھی اور اسی لئے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس اس کا کچھ جواب نہیں ہے۔ اس سے ابنِ زیاد کا غصہ اور زیادہ ہو گیا اور اس نے مزید فوج کو منظم کیا اور اس کا سپہ سالار عمرو بن سعد کو بنایا جو اس زمانے میں ملک رِےّ کا والی (گورنر) تھا۔ رَےّ ایران کا ایک شہر تھا جو آج کل ایران کا دارالسلطنت ہے اور اس کو طہران کہتے ہیں۔

امام عالی مقامؓ کے بدبخت دشمن آپ رضی اللہ عنہ کی عظمت و فضیلت کو خوب جانتے پہچانتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کی جلالت و مرتبت کا ہر دل معترف تھا۔ اسی وجہ سے عمرو بن سعد نے حضرت امامِ

عالی مقام رضی اللہ عنہ کے مقابلہ سے گریز کرنا چاہا اور پہلوتہی کی۔ وہ چاہتا تھا کہ حضرت امامِ عالی مقامؓ کے خون سے بچا رہے مگر عبید اللہ بن زیاد نے اسے مجبور کیا کہ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو رَے کی حکومت سے دستبردار ہو جاؤ ورنہ امامؓ سے مقابلہ کرو۔ طلبِ دنیا اور حکومت کے لالچ نے اس کو اس جنگ پر آمادہ کر دیا۔ آخر کار عمرو بن سعد وہ تمام افواج لیکر حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کیلئے روانہ ہوا اور بدبخت عبید اللہ بن زیاد پیہم اور متواتر کمک پر کمک بھیجتا رہا یہاں تک کہ عمرو بن سعد کے پاس بائیس ہزار[1] سوار اور پیدل فوج جمع ہوگئی اور اس نے اس فوج کے ساتھ کربلا میں پہنچ کر فرات کے کنارے پڑاؤ ڈالا اور اپنا مرکز قائم کر لیا۔

حیرت ناک بات ہے اور دنیا کی کسی جنگ میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ کل بہتر (72) نفوس، ان میں بیبیاں بھی، بچے بھی، بیمار بھی، پھر وہ ارادہ جنگ سے بھی نہیں آئے تھے اور انتظامِ حرب بھی مکمل پاس نہ تھا کہ ان کیلئے بائیس ہزار کی فوج بھیجی جائے۔ آخر وہ ان بہتر (72) نفوس کو اپنے خیال میں کیا سمجھتے تھے اور ان کی شجاعت و بسالت کے کیسے کیسے مناظر ان کی آنکھوں نے دیکھے تھے کہ اس چھوٹی سی جماعت کے لئے دوگنی، چوگنی، دس گنی تو کیا سوگنی تعداد کو بھی کافی نہ سمجھا گیا۔ بے اندازہ لشکر بھیج دیئے گئے، فوجوں کے پہاڑ لگا ڈالے اس پر بھی خوف زدہ ہیں اور جنگ آزماؤں، دلاوروں کے حوصلے پست ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شیرانِ حق کے حملے کی تاب لانا مشکل ہے۔ مجبوراً یہ تدبیر کرنا پڑی کہ لشکرِ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ پر پانی بند کیا جائے پیاس کی شدت اور گرمی کی حدت سے قویٰ مضمحل ہو جائیں، ضعف انتہا کو پہنچ جائے تب جنگ شروع کی جائے۔

اہلِ بیت کرام رضی اللہ عنہم پر پانی بند کرنے اور ان کے خون کے دریا بہانے کیلئے بے غیرتی سے سامنے آنے والوں میں زیادہ تعداد انہی بے حیاؤں کی تھی جنہوں نے حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کو ہزاروں درخواستیں بھیج کر بلایا تھا اور مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر حضرت امام رضی اللہ عنہ کی بیعت کی

---

[1] بعض روایات کے مطابق تیس ہزار

تھی۔ مگر آج ان بے غیرتوں اور بے وفاؤں کو نہ اپنے عہد اور بیعت کا پاس تھا نہ اپنی دعوت اور میزبانی کا لحاظ۔ فرات کا پانی ان سیاہ باطنوں نے اہلِ بیتؓ پر بند کر دیا تھا۔ اہلِ بیتؓ کے چھوٹے چھوٹے اور شیر خوار بچے پانی کی ایک ایک بوند کو ترس اور ایک ایک قطرہ کیلئے تڑپ رہے تھے۔ آلِ رسول کو ایک قطرہ پانی میسر نہ تھا اور نمازیں بھی تیمّم سے پڑھنی پڑتی تھیں۔ اس طرح پانی اور خوراک کے بغیر تین دن گزر گئے، چھوٹے چھوٹے بچے اور پاک بیبیاں سب بھوک و پیاس سے بے حال ہو گئیں۔ ان ظالموں کا مقصد ایک ہی تھا کہ ان تکالیف سے فرزندِ رسول کو بیعت پر مجبور کر دیا جائے۔ مگر فرزندِ رسول کو مصائب کا ہجوم اپنی جگہ سے نہ ہٹا سکا اور ان کے عزم واستقلال میں کوئی فرق نہ آیا۔ حق وصداقت کا حامی مصیبتوں کی بھیانک گھٹاؤں سے نہ ڈرا اور طوفانِ بلا کے سیلاب سے اس کے پائے ثبات میں جنبش نہ ہوئی دین کا شیدائی دنیا کی آفتوں کو خیال میں نہ لایا۔ 9 محرم تک یہی بحث رہی کہ حضرت امامِ عالی مقامؓ یزید کی بیعت کر لیں اگر آپ رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت کرتے تو وہ تمام لشکر آپ کے جلو میں ہوتا، آپ کا کمال اکرام واحترام کیا جاتا، خزانوں کے منہ کھول دیئے جاتے اور دولتِ دنیا قدموں پر لٹا دی جاتی۔ مگر جس کا دل حبِ دنیا سے خالی ہو اور دنیا کی بے ثباتی کا راز جس پر منکشف ہو وہ اس طلسم میں کب آتا ہے، جس آنکھ نے حقیقی حسن (دیدارِ الٰہی) کے جلوے دیکھے ہوں وہ نمائشی رنگ و روپ پر کیا نظر ڈالے۔

حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے دنیا کی راحت وآرام کے منہ پر ٹھوکر مار دی اور راہِ حق میں پہنچنے والی مصیبتوں کا خوش دلی سے خیر مقدم کیا اور باوجود اس قدر آفتوں اور بلاؤں کے ناجائز بیعت کا خیال اپنے قلبِ مبارک میں نہ آنے دیا اور مسلمانوں کی تباہی و بربادی گوارا نہ فرمائی۔ اپنا گھر لٹانا اور اپنا خون بہانا منظور کیا مگر اسلام کی عزت میں فرق آنا برداشت نہ ہو سکا۔

جب کسی طرح مصالحت کی کوئی شکل پیدا نہ ہوئی اور کسی طرح بھی ظالم اور کینہ فطرت قوم صلح کی

طرف مائل نہ ہوئی اور تمام صورتیں ان کے سامنے پیش کر دی گئیں لیکن اہلِ بیتؓ کے خون کے پیاسے کسی بات پر راضی نہ ہوئے اور حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ کو یقین ہو گیا کہ اب کوئی راہ باقی نہیں ہے یہ سب ان کی جان کے خواہاں ہیں اور اب اس جنگ کو دفع کرنے کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہا۔ آپ علیہ السلام نے 9 محرم کی رات اپنے تمام اصحاب و اقارب کو جمع فرمایا اور چراغ گُل کر دیا۔ پھر وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس کا نور آج بھی عاشقوں کے دلوں کو گرما دیتا ہے۔ یہ عاشقوں کا آخری امتحان ہے۔ امام کے منتخب کردہ عاشقوں کی آخری آزمائش۔ امام سے علیحدگی کا حکم خود امام دے رہے ہیں۔ حجت مل گئی۔ واپس جا سکتے ہیں کہ امامؓ نے خود فرما دیا جو جانا چاہے جا سکتا ہے۔ اب تو جواز باقی ہی نہیں رہا۔ واہ! امام تیرے عاشقوں کے قربان جاؤں۔ اس آزمائش میں بھی پورے اترے اور اس رات انہوں نے زندگی کو خیر باد کہہ کر موت کا انتخاب کر لیا۔ آپ رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا:

''میں اللہ تعالیٰ کی بہترین حمد و ثنا کرتا ہوں اور ہر حالت میں اس کی حمد کو فریضہ جانتا ہوں۔ خدایا میں اس امر پر تیری حمد و ثنا کرتا ہوں کہ تو نے ہمیں شرفِ نبوت سے ممتاز فرمایا اور ہمیں قرآنِ مجید کی تعلیم دی اور دین کا راز عطا فرمایا اور ہمارے کان، آنکھ اور دل کو معین فرما کر شاکرین میں شمار فرمایا۔ امابعد اے میرے اصحاب! میں سچ کہتا ہوں کہ میرے اصحاب سے زیادہ اور بہتر اصحاب ممکن نہیں اور میرے اہلِ بیتؓ سے عمدہ اور لائق اہلِ بیتؓ کا امکان نہیں۔ اے میرے اصحاب و اقربا اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے، مگر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میں نے تمہیں اجازت دی ہے اور تم سب کے سب میری طرف سے آزاد ہو اور اس وقت رات کا پردہ مائل ہے۔ تم کسی طرف چپکے سے نکل جاؤ اور اپنی جان بچاؤ۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ قوم صرف میرا خون بہانا چاہتی ہے۔ جب یہ مجھے قتل کر لیں گے تو پھر کسی اور طرف کا رخ نہیں کریں گے۔'' اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہٗ نے ہاتھ اٹھا کر اپنے اصحاب کے حق میں

دعائے خیر فرمائی۔

آپ رضی اللہ عنہ نے کچھ وقفہ کے بعد چراغ جلایا تو دیکھا تمام اصحاب واقربا اپنی جگہ موجود تھے۔ انہوں نے کہا ''خدا کی قسم ہم جانیں دے دیں گے لیکن آپ رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔''

امامِ عالی مقامؓ کے خطباتِ عاشورہ

حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام رفقاء اور اہلِ بیتؓ کے ساتھ فجر کے وقت اپنی عمر کی آخری باجماعت نماز نہایت ذوق وشوق، تضرع وخشوع کے ساتھ ادا فرمائی۔ نماز سے فراغت کے بعد امام خیمہ میں تشریف لائے۔ دسویں محرم کا آفتاب طلوع ہونے والا ہے۔ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام رفقاء اور اہلِ بیتؓ تین دن کے بھوکے پیاسے ہیں۔ ایک قطرہ پانی میسر نہیں آیا اور ایک لقمہ حلق سے نہیں اترا۔ بھوک وپیاس سے جس قدر ضعف وناتوانی کا غلبہ ہو جاتا ہے اس کا کچھ اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں کبھی دو تین وقت کے فاقہ کی نوبت آئی ہو۔ پھر بے وطنی، تیز دھوپ، گرم ریت، گرم ہواؤں نے ناز ونعم میں پرورش پانے والوں کو کس قدر بے حال کر دیا ہوگا ان 72 نفوس قدسیہ پر پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے کیلئے بائیس ہزار فوج اور تازہ دم لشکر ہر طرح سے مسلح صفیں باندھے موجود، جنگ کا نقارہ بجا دیا گیا اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرزند اور فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے جگر گوشہ کو مہمان بنا کر بلانے والی قوم نے ان پاکیزہ زندگیوں کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔

حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے میدانِ کارزار میں تشریف لا کر ایک خطبہ ارشاد فرما کر حجت تمام کر دی آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ''خونِ ناحق حرام اور غضبِ الٰہی کا موجب ہے۔ میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ تم اس گناہ میں مبتلا نہ ہو۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا، کسی کا گھر نہیں جلایا، کسی پر حملہ آور نہیں ہوا، اگر تم اپنے شہر میں میرا آنا نہیں چاہتے ہو تو مجھے واپس جانے دو میں تم سے کسی چیز کا

طلبگار نہیں ہوں، تمہارے درپے آزار نہیں ہوں، تم کیوں میری جان کے درپے ہو اور تم کس طرح میرے خون کے الزام سے بری ہو سکتے ہو، روزِ محشر تمہارے پاس میرے خون کا کیا جواب ہوگا۔ اپنا انجام سوچو اور اپنی عاقبت پر نظر ڈالو، پھر یہ بھی سمجھو کہ میں کون ہوں اور بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا منظورِ نظر ہوں، میرے والد کون ہیں اور میری والدہ کس کی لختِ جگر ہیں۔ میں اسی فاطمہ زہراؓ کا نورِ نظر ہوں جن کے پل صراط پر سے گزرتے وقت عرش سے ندا کی جائے گی کہ اہلِ محشر! سر جھکاؤ اور اپنی آنکھیں بند کرو کہ خاتونِ جنتؓ پل صراط سے ستر ہزار حوروں کو ہمراہ لے کر گزرنے والی ہیں۔ میں وہی ہوں جس کی محبت کو سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی محبت فرمایا ہے۔ میرے فضائل تمہیں خوب معلوم ہیں میرے حق میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں اس سے تم بے خبر نہیں۔''

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ سب کچھ ہمیں معلوم ہے مگر اس وقت یہ مسئلہ زیرِ بحث نہیں ہے۔ آپ جنگ کیلئے کسی کو میدان میں بھیجئے اور گفتگو ختم فرمائیے۔ حضرت امامؓ نے فرمایا کہ میں حجتیں تمام کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس جنگ کو دفع کرنے کی تدابیر میں سے میری طرف سے کوئی تدبیر نہ رہ جائے اور جب تم مجبور کرتے ہو تو مجبوری و ناچاری میں مجھ کو تلوار اٹھانا ہی پڑے گی۔

حرؓ کی لشکرِ امامؓ میں شمولیت اور شہادت

جنگ شروع ہونے کے بعد آپ رضی اللہ عنہٗ کے عاشق اصحاب اور جان نثار میدانِ جنگ میں جانیں نثار اور فدا کرتے رہے۔ جن جن خوش نصیبوں کی قسمت میں تھا انہوں نے خاندانِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم پر اپنی جانیں فدا کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس زمرے میں حُرؓ بن یزید ریاحی قابلِ ذکر ہے۔ جنگ کے وقت حُرؓ کا دل بہت مضطرب تھا اور اس کی بے قراری اس کو ایک جگہ ٹھہرنے نہ دیتی تھی، کبھی وہ عمرو بن سعد سے جا کر کہتے تھے کہ تم امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ کے ساتھ جنگ کرو

گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کیا جواب دو گے؟ عمرو بن سعد کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہاں سے ہٹ کر پھر میدان میں آتے ہیں' بدن کانپ رہا ہے چہرہ زرد ہے، پریشانی کے آثار نمایاں ہیں، دل دھڑک رہا ہے' ان کے بھائی مصعب بن یزید نے ان کا یہ حال دیکھ کر پوچھا کہ اے برادر! آپ مشہور جنگجو اور دلاور ہیں آپ کیلئے یہ پہلا معرکہ نہیں، بڑی دفعہ جنگ کے خونی مناظر آپ کی نظر کے سامنے سے گزرے ہیں اور بہت سے سورما آپ کی خون آشام تلوار سے قتل ہوئے ہیں' آپ کا یہ کیا حال ہے اور آپ پر اس قدر خوف و ہراس کیوں طاری ہے؟ حر نے کہا ''اے برادر! یہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرزند سے جنگ ہے' اپنی عاقبت سے لڑائی ہے' بہشت اور دوزخ کے درمیان کھڑا ہوں' دنیا پوری قوت کے ساتھ مجھ کو جہنم کی طرف کھینچ رہی ہے اور میرا دل اس کی ہیبت سے کانپ رہا ہے۔'' اسی اثناء میں حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ کی آواز آئی۔ فرماتے ہیں کوئی ہے جو آج آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جان نثار کرے اور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور میں سرخروئی پائے۔

یہ صدا تھی جس نے پاؤں کی بیڑیاں کاٹ دیں' دلِ بے تاب کو قرار بخشا اور اطمینان ہوا کہ فرزندِ رسول میری پہلی جرأت سے درگزر فرمائیں تو عجب نہیں۔ کریم نے کرم کی بشارت دی ہے' جان فدا کرنے کے ارادہ سے چل پڑا' گھوڑا دوڑایا اور امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر گھوڑے سے اتر کر عاجزی اور ندامت سے رکاب تھامی اور عرض کیا کہ اے ابنِ رسول، فرزندِ بتولؓ میں وہی حر ہوں جو پہلے آپ کے مقابل آیا اور جس نے آپ کو اس گرم اور بے بیابان صحرا میں روکا۔ اپنی اس جسارت و جرأت پر شرمندہ ہوں' شرمندگی اور خجالت نظر نہیں اٹھانے دیتی۔ آپ رضی اللہ عنہٗ کی کریمانہ صدا سن کر امیدوں نے ہمت بندھائی تو حاضرِ خدمت ہوا ہوں' آپ کے کرم سے کیا بعید کہ میرا جرم معاف فرمائیں اور غلامانِ خاص میں شامل کریں اور اپنے اہلِ بیتؓ پر جان قربان کرنے کی اجازت دیں۔ حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ نے حر کے سر پر

دستِ مبارک رکھا اور فرمایا:

''اے حر! بارگاہِ الٰہی میں صدق اور اخلاص والوں کی استغفار قبول ہے اور خلوصِ نیت سے توبہ کرنے والے محروم نہیں لوٹائے جاتے۔ شاباش کہ میں نے تیری تقصیر معاف کی اور اس سعادت کے حصول کی اجازت دی۔''

اجازت پا کر میدان کی طرف روانہ ہوا، گھوڑا دوڑا کر دشمنوں تک پہنچا۔ حر کے بھائی مصعب بن یزید نے دیکھا کہ حر نے سعادت پائی اور نعمتِ آخرت سے بہرہ مند ہوا اور حرصِ دنیا کے غبار سے اس کا دامن پاک ہوا تو اس کے دل میں بھی ولولہ اٹھا اور گھوڑا دوڑاتا ہوا چلا۔ یہ واقعہ دیکھ کر عمرو بن سعد کے بدن پر لرزہ طاری ہوگیا اور وہ گھبرا اٹھا اور اس نے ایک شخص کو منتخب کر کے بھیجا اور کہا کہ ان کو سمجھا بجھا کر اپنے موافق کرنے کی کوشش کرو اور اپنی چالبازی اور فریب کاری سے ان کو سمجھاؤ' پھر بھی ناکامی ہو تو ان کے سر کاٹ کر لے آؤ۔ وہ شخص چلا اور حر سے آ کر کہنے لگا' اے حر! تیری عقل و دانائی پر ہم فخر کیا کرتے تھے مگر آج تو نے کمال دانائی کی کہ اس لشکرِ جرار سے نکل کر یزید کے انعام و اکرام پر ٹھوکر مار کر چند بے کس مسافروں کا ساتھ دیا جن کے پاس خشک روٹی کا ایک ٹکڑا اور پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے، تیری اس نادانی پر افسوس آتا ہے۔

حر نے کہا ''اے بے عقل! تجھے اپنی نادانی پر رنج کرنا چاہیے کہ تو نے طاہر کو چھوڑ کر ناپاک کو قبول کیا اور جاودانی زندگی کے مقابلے میں دنیا فانی کے آرام کو ترجیح دی' حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے امام حسینؓ کو اپنا پھول فرمایا ہے، میں اس گلستان پر جان قربان کرنے کی تمنا رکھتا ہوں' رضائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑھ کر کائنات میں کونسی نعمت ہے۔''

وہ کہنے لگا ''اے حر! یہ تو میں خوب جانتا ہوں لیکن ہم لوگ سپاہی ہیں اور آج دولت اور مال یزید کے پاس ہے۔''

حر نے کہا ''اے کم ہمت! اس حوصلہ پر لعنت''! اب تو اس بدباطن کو یقین ہوگیا کہ اس کی چرب

زبانی حر پر اثر نہیں کر سکتی۔ اہلِ بیتؓ کی محبت اس کے قلب میں اتر گئی ہے اور اس کا سینہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق کے نور سے بھرا ہوا ہے اور کوئی مکروفریب اس پر نہ چلے گا، باتیں کرتے کرتے ایک تیر حر کے سینہ پر کھینچ مارا۔ حر نے زخم کھا کر ایک نیزہ کا وار کیا جو اس کے سینہ سے پار ہو گیا، پھر اسے زین سے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ اس شخص کے تین بھائی تھے یکبارگی حر پر دوڑ پڑے۔ حر نے آگے بڑھ کر ایک کا سر تلوار سے اڑا دیا' دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اٹھا کر زمین پر اس زور سے پھینکا کہ گردن ٹوٹ گئی' تیسرا بھاگ نکلا اور حر نے اس کا تعاقب کیا، قریب پہنچ کر اس کی پشت پر نیزہ مارا وہ سینہ سے نکل گیا۔ اب حر نے لشکرِ ابنِ سعد کے میمنہ پر حملہ کیا اور خوب زور کی جنگ ہوئی۔ لشکرِ ابنِ سعد کو حر کے جنگی ہنر کا اعتراف کرنا پڑا اور وہ جانباز صادق دادِ شجاعت دے کر فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جان فدا کر گیا۔

حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ حر کو اٹھا کر لائے اور اس کے سر کو زانوئے مبارک پر رکھ کر اپنے پاک دامن سے اس کے چہرے کا غبار دور فرمانے لگے۔ ابھی رمقِ جان باقی تھی' ابنِ زہراؓ کے پھول کے مہکتے دامن کی خوشبو حر کے دماغ میں پہنچی' مشامِ جاں معطر ہو گیا' آنکھیں کھول دیں دیکھا کہ ابنِ رسول اللہ کی گود میں ہے اپنے بخت ومقدر پر ناز کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کے دیدار کیلئے روانہ ہوا۔

حر کے ساتھ اس کے بھائی اور غلام نے بھی دادِ شجاعت دے کر اپنی جانیں اہلِ بیتؓ پر قربان کیں اس وقت پچاس سے زیادہ آدمی شہید ہو چکے تھے۔

جوانانِ اہلِ بیتؓ کی شہادت

تمام اصحاب کی شہادت کے بعد اب صرف خاندانِ اہلِ بیتؓ باقی تھے اور دشمنوں کی نظر بھی انہیں پر تھی کہ یہ سب پروانہ وار حضرت امامؓ پر نثار ہیں۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ امامِ عالی مقامؓ کے اس چھوٹے سے لشکر میں سے اس مصیبت کے وقت کسی نے بھی ہمت نہ ہاری'

اصحاب اور خاندان میں سے کسی کو بھی اپنی جان پیاری معلوم نہ ہوئی۔ ساتھیوں میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو اپنی جان بچا کر بھاگتا یا دشمنوں کی پناہ چاہتا' ہر ایک کی تمنا تھی اور ہر ایک کا اصرار تھا کہ پہلے جان نثاری کا موقع ان کو دیا جائے۔ عشق و محبت کے متوالے شوقِ شہادت میں مست تھے' تنوں کا سر سے جدا ہونا اور راہِ خدا میں شہادت پانا ان پر وجد کی کیفیت طاری کرتا تھا، ایک کو شہید ہوتا دیکھ کر دوسروں کے دلوں میں شہادتوں کی امنگیں جوش مارتی تھیں۔

اہلِ بیتؓ کے نوجوانوں نے خاکِ کربلا کے صفحات پر اپنے خون سے شجاعت اور جوانمردی کے وہ بے مثال نقوش ثبت فرمائے جن کو زمانہ محو کرنے سے قاصر ہے۔ اب تک عاشقانِ امام اور اصحاب کی معرکہ آرائیاں تھیں جنہوں نے علمبردارانِ شجاعت کو خاک و خون میں لٹا کر اپنی بہادری کی دھاک بٹھائی تھی۔ اب اسد اللہ کے شیروں کا موقع آیا اور علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے خاندان کے بہادروں کے گھوڑوں نے میدانِ کربلا کو جولان گاہ بنا دیا۔

ان حضرات کا میدان میں آنا تھا کہ بہادروں کے دل سینوں میں لرزنے لگے اور ان کے حملوں سے شیر دل بہادر چیخ اٹھے۔ اسد الٰہی تلواریں تھیں یا شہابِ ثاقب کی آتش بازی، بنی ہاشم کے نبرد آزماؤں کے جاں شکار حملوں نے کربلا کی تشنہ لب زمین کو دشمنوں کے خون سے سیراب کر دیا اور خشک ریگستان سرخ نظر آنے لگا۔ نیزوں کی نوکوں پر صف شکن بہادروں کو اٹھانا اور خاک میں ملانا ہاشمی نوجوانوں کا معمولی کرتب تھا۔ یہ حرب و ضرب کے جوہر دیکھ کر بڑے بڑے کوہ پیکر ہراساں ہو گئے، کبھی میمنہ پر حملہ کیا تو صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ سوار مقتولوں کے سمندر میں تیر رہا ہے۔ کبھی میسرہ کی طرف رخ کیا تو معلوم ہوا کہ مُردوں کی جماعت کھڑی تھی جو اشارہ کرتے ہی لوٹ گئی۔ بجلی کی طرح چمکنے والی تلوار خون میں ڈوب ڈوب نکلتی تھی اور خون کے قطرات اس سے ٹپکتے رہتے تھے۔ اس طرح خاندانِ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کے نوجوان اپنے اپنے جوہر دکھا کر امامِ عالی مقامؓ پر جان قربان کرتے چلے جا رہے تھے۔

فرزندانِ اہلِ بیت اور فرزندانِ حیدر نے دشمن کے ہوش اڑا دیئے۔ ابنِ سعد نے اعتراف کیا کہ اگر فریب کاریوں سے کام نہ لیا جاتا اور پانی بند نہ کیا جاتا تو اہلِ بیتؓ کا ایک ایک نوجوان تمام لشکر کو برباد کر ڈالتا۔ جب وہ مقابلہ کیلئے اٹھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ قہرِ الٰہی آرہا ہے۔ ان کا ایک ایک فرد صف شکن تھا۔ فرزندانِ اہلِ بیت اور حیدری نونہالوں نے میدانِ کربلا میں حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ پر اپنی جانیں فدا کیں اور تلواروں اور تیروں کی بارش میں امام سے منہ نہ موڑا، گردنیں کٹوائیں، خون بہائے، جانیں دیں مگر کلمہ ناحق زبان پر نہ آنے دیا۔ باری باری تمام شہزادے شہید ہوتے چلے گئے، اب حضرت امامِ عالی مقامؓ کے سامنے ان کے نورِ اکبر علی اکبرؓ حاضر ہیں، میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت چاہتے ہیں منت وسماجت ہو رہی ہے۔ عجیب وقت ہے چہیتا بیٹا شفیق باپ سے گردن کٹوانے کی اجازت چاہتا ہے اور اس پر اصرار کرتا ہے۔ جس کی کوئی خواہش ایسی نہ تھی جو پوری نہ کی جاتی ہو یہ التجا جگر پر کیا اثر کرتی ہوگی، اجازت دیں تو کس بات کی؟ گردن کٹانے اور خون بہانے کی؟ نہ دیں تو چمنستانِ رسالت کا وہ گلاب کملایا جاتا ہے مگر شہادت کے اس آرزومند کا اصرار اس قدر تھا اور شوقِ شہادت نے ایسا دیوانہ بنا دیا تھا کہ چار و ناچار حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کو اجازت دینا ہی پڑی۔ حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے اس حسین و جمیل نوجوان کو خود گھوڑے پر سوار کیا، اسلحہ اپنے دستِ مبارک سے لگایا، فولادی خود سر پر رکھا، کمر پر پٹکا باندھا، تلوار حمائل کی، نیزہ اس نازپروردہ کے مبارک ہاتھ میں دیا۔ اس وقت اہلِ بیتؓ کی بیبیوں، بچوں پر کیا گزر رہی تھی جن کا تمام کنبہ وقبیلہ، برادر اور فرزند سب شہید ہو چکے تھے اور ایک جگمگاتا ہوا چراغ بھی آخری سلام کر رہا تھا۔ ان تمام مصائب کو اہلِ بیتؓ نے رضائے الٰہی کیلئے بڑی استقامت کے ساتھ برداشت کیا اور یہ انہی کا حوصلہ تھا۔ حضرت علی اکبرؓ خیمہ سے رخصت ہو کر میدانِ کارزار کی طرف تشریف لائے، جنگ کے میدان میں ایک آفتاب چمکا۔

یہ اسد اللّٰہی شیر میدان میں آیا، دشمنوں کی طرف نظر کی، ذوالفقارِ حیدری کو چمکایا اور اپنی زبانِ مبارک سے رجز شروع کی:

انا علی بن الحسین بن علی
نحن و بیت الله اولی النبی

ترجمہ: میں علی ہوں، حسینؓ کا فرزند اور علیؓ کا پوتا ہوں۔ بیت اللہ کی قسم ہم نبی کی آل ہیں۔

جس وقت شہزادہ عالی قدر نے یہ رجز پڑھی ہوگی کربلا کا چپہ چپہ اور ریگستانِ کوفہ کا ذرہ ذرہ کانپ گیا ہوگا۔ ان بدبخت اور زبانی ایمان کے دعوے داروں کے دل پتھر سے بدتر تھے جنہوں نے اس چمنستانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس پھول کی زبان مبارک سے یہ کلمے سنے پھر بھی ان کی دشمنی کی آگ سرد نہ ہوئی اور سینہ سے کینہ دور نہ ہوا۔ لشکریوں نے عمرو بن سعد سے پوچھا کہ یہ سوار کون ہے جس کی تجلّی نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہے اور جس کی ہیبت و خوف سے بہادروں کے دل ہراساں ہیں، شانِ شجاعت اس کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہے۔ کہنے لگا یہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں، صورت و سیرت میں اپنے جد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے بہت مشابہت رکھتے ہیں، طلبِ دنیا، دولت اور مال کی حرص نے ان بدبختوں کو اس طرح جکڑا ہوا تھا کہ وہ اہلِ بیتؓ اطہار کی قدر اور شان اور اپنے افعال اور کردار کی شامت و نحوست جاننے کے باوجود اپنے ضمیر کی ملامت کی پرواہ نہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے باغی بنے اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خون سے کنارہ کرنے اور دونوں جہانوں کی روسیاہی سے بچنے کی انہوں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ شہزادہ عالی وقار نے مبارز طلب فرمایا، صفِ دشمنان میں کسی کو جنبش نہ ہوئی، کسی بہادر کا قدم نہ بڑھا، معلوم ہوتا تھا کہ شیر کے مقابل بکریوں کا ایک ریوڑ رہے جو دم بخود اور ساکت ہے۔

حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ نے پھر نعرہ مارا اور فرمایا کہ اے ظالموں اگر بنی فاطمہؓ کے خون کی پیاس ہے

تو تم میں سے جو بہادر ہو اسے میدان میں بھیجو' زورِ بازوئے علیؓ دیکھنا ہو تو میرے مقابل آؤ۔ مگر کس کی ہمت تھی جو آگے بڑھتا، کس میں تاب تھی جو اس شیر کے سامنے آتا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے ملاحظہ فرمایا کہ بے غیرت دشمنوں میں سے کسی ایک کو بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہے کہ ایک کو ایک کے مقابل کریں تو آپ رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور بجلی کی طرح دشمن کے لشکر پر حملہ کر دیا جس طرف رخ کیا صفوں کی صفیں الٹا دیں ایک ایک وار میں کئی کئی نام نہاد دلاور گرا دیئے' ابھی میمنہ پر چمکے تو اس کو منتشر کیا' ابھی میسرہ کی طرف پلٹے تو صفیں درہم برہم کر ڈالیں' کبھی قلبِ لشکر میں غوطہ لگایا تو گردن کشوں کے سر موسمِ خزاں کے پتوں کی طرح تن کے درختوں سے جدا ہو کر گرنے لگے' ہر طرف شور برپا ہو گیا' دلاوروں کے دل چھوٹ گئے' بہادروں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں' کبھی نیزے کی ضرب تھی' کبھی تلوار کا وار تھا شہزادۂ اہلِ بیتؓ کا حملہ نہ تھا عذابِ الٰہی کی بلائے عظیم تھی۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر عمرو بن سعد نے اپنے نام نہاد نامور جنگجو طارق سے کہا بڑے شرم کی بات ہے کہ اہلِ بیت کا اکیلا نوجوان میدان میں ہے اور تم ہزاروں کی تعداد میں ہو۔ اس نے مبارز طلب کیا تو تمہاری جماعت میں کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ پھر وہ آگے بڑھا تو صفیں کی صفیں درہم برہم کر ڈالیں اور بہادروں کا کھیت بو دیا' بھوکا ہے، پیاسا، ہے دھوپ میں لڑتے لڑتے تھک گیا ہے اور تمہاری تازہ دم فوج میں سے کسی میں مقابلے کی ہمت نہیں ہے۔ لعنت ہے تمہارے بہادری اور دلیری کے دعوؤں پر' کچھ غیرت ہو تو میدان میں پہنچ کر مقابلہ کر کے فتح حاصل کرو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ عبید اللہ بن زیاد سے تجھ کو موصل کی حکومت دلا دوں گا۔

اس پر حریص طارق موصل کی حکومت کے لالچ میں شہزادہ بنی فاطمہؓ کے مقابلہ کیلئے چلا' سامنے پہنچتے ہی شہزادۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نیزہ کا وار کیا۔ شہزادہ عالی وقار نے اس کے نیزہ کے وار سے تیزی سے اپنے آپ کو بچا کر اس کے سینہ پر ایک ایسا نیزہ مارا کہ طارق کی پیٹھ سے

نکل گیا اور وہ ایک دم گھوڑے سے گر گیا شہزادہ علی اکبر رضی اللہ عنہٗ نے کمال ہنرمندی سے گھوڑے کو ایڑھ دے کر اس کو روند ڈالا اور ہڈیاں چور کر ڈالیں۔ یہ دیکھ کر طارق کے بیٹے عمرو بن طارق کو طیش آیا اور وہ غصہ میں گھوڑا دوڑا کر شہزادہ پر حملہ آور ہوا، شہزادہ نے ایک ہی وار میں اس کا کام بھی تمام کر دیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی طلحہ بن طارق اپنے بھائی اور باپ کا بدلہ لینے کیلئے ایک ناگ کی طرح شہزادہ پر حملہ آور ہوا۔ حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہٗ نے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر زین سے اٹھا لیا اور زمین پر اس زور سے پٹکا کہ اس کا دم نکل گیا۔ شہزادہ کی ہیبت سے لشکر میں شور برپا ہو گیا۔ عمرو بن سعد نے ایک مشہور بہادر مصراع ابنِ غالب کو شہزادہ کے مقابلہ کیلئے بھیجا۔ مصراع نے شہزادہ پر حملہ کیا، آپ رضی اللہ عنہٗ نے تلوار سے اس کے نیزہ کو دو ٹکڑوں میں کاٹ کر اس کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ اس بدبخت کا سر دو ٹکڑے ہو کر گر گیا۔ اب کسی میں ہمت نہ رہی کہ تنہا اس شیر کے مقابل آتا۔ ناچار عمرو بن سعد نے محکم بن طفیل بن نوفل کو ہزار سواروں کے ساتھ شہزادہ پر یکبارگی حملہ کرنے کیلئے بھیجا۔ شہزادہ نے نیزہ اٹھا کر ان پر حملہ کیا اور انہیں دھکیل کر قلبِ لشکر تک پہنچا دیا۔

اس حملے میں شہزادہ کے ہاتھ سے کتنے بدنصیب ہلاک ہوئے اور کتنے ہی پیچھے ہٹے۔ آپ رضی اللہ عنہٗ پر تین دِن کی پیاس اور بھوک کی حالت طاری تھی لیکن اس کے باوجود دشمن کے لشکر میں ایک خوف اور ہیبت کا سماں طاری تھا اب لشکرِ شیطان نے یکبارگی چاروں طرف سے گھیر کر حملے کرنا شروع کر دیئے۔ آپ بھی حملہ فرماتے رہے اور دشمن ہلاک ہو ہو کر خاک و خون میں لوٹتے رہے لیکن چاروں طرف سے نیزوں کے زخموں نے نازک اور پھولوں جیسے جسم کو چکنا چور کر دیا تھا اور چمنِ فاطمہؓ کا گل اپنے خون میں نہا گیا تھا۔ مسلسل تلواروں اور تیروں کی ضربیں پڑ رہی تھیں اور فاطمی شہسوار پر تیر و تلوار کا مینہ برس رہا تھا، اس شدید زخمی حالت میں آپ رضی اللہ عنہٗ گھوڑے سے گر پڑے اور آپ رضی اللہ عنہٗ کے پاک اور طاہر جسم نے کربلا کی زمین کو چھوا۔ اس وقت آپؓ نے

آواز دی ''اے پدرِ بزرگوار! مجھ کو لیجیے''۔ حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ گھوڑا دوڑا کر میدان میں پہنچے اور جانباز فرزند کو خیمہ میں لائے اور اس کا سر گود میں لیا' حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ نے آنکھ کھولی اور اپنا سر والد کی گود میں دیکھ کر فرمایا ''اے پدر بزرگوار میں دیکھ رہا ہوں آسمان کے دروازے کھلے ہیں، بہشتی حوریں شربت کے جام لیے انتظار کر رہی ہیں۔'' یہ کہا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت امام کے چھوٹے فرزند علی اصغرؓ جو ابھی کمسن ہیں، شیر خوار ہیں، پیاس سے بے تاب ہیں، شدتِ پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔ ماں کا دودھ خشک ہو گیا ہے، پانی کا نام و نشان تک نہیں ہے، اس چھوٹے بچے کی ننھی زبان باہر آتی ہے، بے چینی میں ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور تڑپ کھا کھا کر رہ جاتے ہیں۔ ماں کی طرف دیکھتے ہیں اور ان کو سوکھی زبان دکھاتے ہیں۔ ماں کا دل اس بے چینی سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ چھوٹے بچے کی بے تابی دیکھی نہ گئی، والدہ نے حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ سے عرض کیا اس ننھی سی جان کی بے تابی دیکھی نہیں جاتی اس کو گود میں لے جائیے اور اس کا حال ظالموں اور سنگ دلوں کو دکھایئے، اس پر تو رحم آئے گا، اس کو تو چند قطرے پانی کے دے دیں۔ نہ یہ جنگ کرنے کے لائق ہے اور نہ دشمنی کے۔

حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ اس چھوٹے نورِ نظر کو سینہ سے لگا کر سپاہِ دشمن کے سامنے پہنچے اور فرمایا کہ اپنا تمام خاندان تو تمہاری بے رحمی اور ظلم کی نذر کر چکا اب بھی اگر آتشِ بغض اور عناد جوش پر ہے تو اس کیلئے میں ہوں۔ یہ شیر خوار بچہ پیاس سے دم توڑ رہا ہے اس کی بے تابی دیکھو اور کچھ رحم اگر تم لوگوں کے دِل میں ہو تو اس کا حلق تر کرنے کو ایک گھونٹ پانی دو۔ ظالموں اور سنگدلوں پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا اور ان کو ذرا رحم نہ آیا۔ بجائے پانی کے ایک بدبخت نے تیر مارا جو علی اصغرؓ کا حلق چھیدتا ہوا امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے وہ تیر کھینچا، بچہ نے تڑپ کر جان دی، باپ کی گود سے ایک نور کا پتلا لپٹا ہوا ہے، خون میں نہا

رہا ہے۔ اہلِ خیمہ کو گمان ہے کہ سیاہ باطن اور سیاہ دِل بے رحم اس بچہ کو ضرور پانی دیں گے اور اس کی پیاس دلوں پر ضرور اثر کرے گی۔ لیکن جب امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ اس نور کے پتلے کو خیمہ میں لائے اور اس کی والدہ نے دیکھا کہ بچہ میں بے تابانہ حرکتیں نہیں ہیں، سکون کا عالم ہے، نہ وہ اضطراب ہے نہ بے قراری' گمان ہوا کہ پانی دے دیا ہوگا۔ حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ سے دریافت کیا۔ فرمایا ''وہ بھی ساقئ کوثر کے جامِ رحمت و کرم سے سیراب ہونے کیلئے اپنے بھائیوں سے جاملا۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری یہ چھوٹی قربانی بھی قبول فرمائی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى اِحْسَانِهٖ وَنَوَالِهٖ''

کائنات کی اس سب سے بڑی تسلیم و رضا کی امتحان گاہ میں امام حسین رضی اللہ عنہٗ اور ان کے عاشقین نے وہ ثابت قدمی دکھائی کہ عاشقینِ امام پر عالمِ ظاہر و باطن حیرت میں آ گیا۔

شہادتِ امامِ عاشقاںؓ

اب وہ وقت آیا کہ جان نثار ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے اور حضرت امامِ عالی مقامؓ پر جانیں قربان کر گئے۔ اب تنہا حضرت امامِ عالی مقامؓ ہیں اور ایک فرزند حضرت امام زین العابدینؓ، وہ بھی بیمار اور نحیف۔ باوجود اس نحیف اور ناطاقتی کے خیمہ سے باہر آئے اور حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ کو تنہا دیکھ کر میدان کارزار میں جانے اور اپنی جان نثار کرنے کیلئے نیزہ دستِ مبارک میں لیا لیکن بیماری' سفر کی کوفت' بھوک' پیاس' متواتر فاقوں اور پانی کی کمی سے ضعف اس درجہ ترقی کر گیا تھا کہ کھڑے ہونے سے بدن مبارک لرزتا تھا باوجود اس کے ہمتِ مردانہ کا یہ حال تھا کہ میدان کا عزم کر لیا۔

حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا جانِ پدر لوٹ آؤ' میدان میں جانے کا قصد نہ کرو۔ کنبہ' عزیز و اصحاب' خدام جو ہمراہ تھے راہِ حق میں جان نثار کر چکے اور الحمدللہ کہ ان مصائب کو اپنے

جدِ کریم کے صدقہ میں صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا اب اپنا نا چیز ہدیہ سر راہِ خدا میں نذر کرنے کیلئے حاضر ہے۔ تمہاری ذات سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں' بیکسانِ اہلِ بیتؓ کو کون وطن تک پہنچائے گا، بیبیوں کی نگہداشت کون کرے گا، میرے بعد امانتِ الٰہیہ کون سنبھالے گا، جد و پدر کی جو امانتیں میرے پاس ہیں کس کے سپرد کی جائیں گی' قرآنِ کریم کی محافظت اور حقائقِ عرفانیہ کی تبلیغ کا فرض کس کے سر پر رکھا جائے گا، میری نسل کس سے چلے گی' حسینی سیّدوں کا سلسلہ کس سے جاری ہوگا۔ یہ سب توقعات تمہاری ذات سے وابستہ ہیں، رسالت و نبوت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آخری چراغ تم ہی تو ہو، تمہارے نور سے ہی دنیا مستفید ہوگی۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دلدادگانِ حُسن تمہارے اسی روئے تاباں سے حبیبِ حق کے انوار و تجلیات کی زیارت کریں گے۔ اے نورِ نظر، لختِ جگر یہ تمام کام تمہارے ذمہ کئے جاتے ہیں میرے بعد تم ہی میرے جانشین ہو گے، تمہیں میدان میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے بھائی تو جان نثاری کی سعادت پا چکے اور حضور کے سامنے ہی ساقیٔ کوثر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے آغوشِ رحمت و کرم میں پہنچے۔ میں تڑپ رہا ہوں مگر حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے تمام ظاہری و باطنی ذمہ داریاں امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائیں امانتِ الٰہیہ اُن کے حوالہ کی اور خود جنگ کیلئے تیار ہوئے۔ قبائے مصری پہنی اور عمامۂ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سر پر باندھا۔ سیّد الشہدا امیر حمزہ رضی اللہ عنہٗ کی سپر پشت پر رکھی' حضرت حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کی ذوالفقار آبدار نیام میں ڈالی، اہلِ خیمہ نے اس منظر کو کن آنکھوں سے دیکھا، امامِ عالی مقامؓ میدان میں جانے کیلئے گھوڑے پر سوار ہوئے سب کو معلوم ہے کہ ان کا امام ان سے طویل عرصہ کیلئے جدا ہو رہا ہے۔ زینبؓ حسرت سے آخری بار اپنے شفیق بھائی اور امام کو دیکھ رہی ہے زینبؓ کو علم ہے کہ شفیق بھائی کے رخصت ہوتے ہی اس غریب الوطن قافلہ اور شہزادیوں کو اس نے ہی سنبھالنا ہے، ازواج سے سہاگ

رخصت ہورہا ہے، دکھے ہوئے اور مجروح دل امامِ عالی مقامؓ کی جدائی سے کٹ رہے ہیں۔ بے کس قافلہ حسرت کی نگاہوں سے امامِ عالی مقامؓ کے چہرۂ پُرنور کا نظارہ کر رہا ہے سکینہ کی ترسی ہوئی آنکھیں پدرِ بزرگوار کا آخری دیدار کر رہی ہیں۔ آن دو آن میں یہ جلوے ہمیشہ کیلئے رخصت ہونے والے ہیں، اہلِ خیمہ بڑی ہمت اور جرأت سے یہ منظر دیکھ رہے ہیں عالمِ ظاہر و باطن ساکت ہے، اہلِ خیمہ ساکت ہیں، نہ کسی کے بدن میں جنبش ہے نہ کسی کی زبان میں تابِ حرکت، نورانی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔ خاندانِ مصطفیؐ بے وطنی اور بیکسی میں اپنے ہی نانا کے دین کو ماننے والوں کے ہاتھوں لٹ رہا ہے خاندانِ مصطفیؐ کے سروں سے رحمت و کرم کا سایہ رخصت ہورہا ہے۔ حضرت امامِ عالی مقامؓ نے اپنے اہلِ بیت کو تلقینِ صبر فرمائی رضائے الٰہی پر صابر و شاکر رہنے کی ہدایت کی اور سب کو سپردِ خدا کر کے میدان کی طرف رخ کیا' اب نہ علی اکبر ہیں نہ عباس' نہ جعفر، نہ عبداللہ، نہ عثمان، نہ عمر، نہ ابوبکر، نہ قاسم، نہ عون و محمد[1] جو حضرت امامِ عالی مقامؓ کو میدان میں جانے سے روکیں اور اپنی جانوں کو امامِ

---

[1] میدانِ کربلا میں خاندانِ بنو ہاشم کے شہدا:

۱۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند: 1۔عباس بن علیؓ 2۔جعفر بن علیؓ 3۔عبداللہ بن علیؓ 4۔عثمان بن علیؓ 5۔محمد بن علیؓ 6۔ابوبکر بن علیؓ۔

۲۔ حضرت امام حسنؓ کے فرزند: 1۔قاسم بن حسنؓ 2۔ابوبکر بن حسنؓ 3۔عبداللہ بن حسنؓ 4۔عمر بن حسنؓ۔ حضرت امام حسنؓ کے ایک فرزند حضرت حسن مثنیٰؓ کربلا کے میدان میں شدید زخمی ہوگئے تھے اور زندہ بچ گئے تھے جن سے حضرت امام حسنؓ کی نسل چلی۔

۳۔ حضرت امام حسینؓ کے فرزند: 1۔علی اکبر بن حسینؓ 2۔علی اصغر بن حسینؓ 3۔عبداللہ بن حسینؓ۔

۴۔ حضرت زینبؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ کے فرزند: 1۔عونؓ 2۔محمدؓ

۵۔ آلِ عقیل بن ابو طالبؓ: 1۔جعفر بن عقیلؓ 2۔عبدالرحمٰن بن عقیلؓ 3۔عبداللہ بن مسلم بن عقیلؓ 4۔محمد بن ابو سعید بن عقیلؓ 5۔مسلم بن عقیلؓ اور اُن کے کم سن دو صاحبزادے محمد بن مسلم بن عقیلؓ اور ابراہیم بن مسلم بن عقیلؓ کوفہ میں شہید ہوئے۔

عالی مقامؓ پر فدا کریں۔ تنہا امامِ عالی مقامؓ ہیں اور آپ ہی کو دشمنوں کے مقابل جانا ہے۔ خیمہ سے چلے اور میدان میں پہنچے۔ حق وصداقت کا روشن آفتاب سرزمینِ شام میں طلوع ہوا' حُبِّ دنیا و آسائشِ حیات کی رات کے سیاہ پردے آفتابِ حق کی تجلیوں سے چاک چاک ہو گئے' باطل کی تاریکی اس کی نورانی شعاعوں سے کافور ہو گئی۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرزند راہِ حق میں گھر لٹا کر، کنبہ کٹا کر سربکف موجود ہے۔ ہزاروں کی فوج سامنے موجود ہے اور اس کی نورانی پیشانی پر شکن بھی نہیں' دشمن کی فوجیں پہاڑوں کی طرح گھیرے ہوئے ہیں اور امامِ عالی مقامؓ کی نظر میں چیونٹی کے برابر بھی ان کا وزن نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہٗ نے ایک رجز پڑھی جو آپ رضی اللہ عنہٗ کے ذاتی و نسبی فضائل پر مشتمل تھی اور اس میں شامیوں کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ناخوشی و ناراضگی اور ظلم کے انجام سے ڈرایا گیا تھا۔ قرآن اپنے سامنے رکھا اور دشمنوں کی صفوں کے قریب آ کر تمام خاندان لٹانے کے بعد بھی اپنے فرض سے غافل نہ ہوئے اور آخری بار حُجت تمام کی اور بلند آواز سے فرمایا ''اے لوگو! اے میرے نانا کے دین کا کلمہ پڑھنے والو! میری بات سنو' جلدی سے کام نہ لو یہاں تک کہ مجھ پر جو تمہارا حق ہے اس کے تحت تم کو نصیحت و ہدایت کا فرض ادا کر لوں اور تمہارے سامنے یہ حقیقتِ حال بیان کر دوں کہ میں تمہاری جانب کیوں آیا؟ اگر تم نے میرے بیان کو صحیح سمجھتے ہوئے تسلیم کر لیا اور میرے ساتھ انصاف سے کام لیا تو یہ تمہاری خوش قسمتی ہوگی اور تمہیں معلوم ہوگا کہ میری مخالفت کی کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی اگر تم نے میرے بیان کو قبول نہیں کیا اور انصاف سے کام نہ لیا تو شوق سے اپنی تمام طاقت کو جمع کر لو اور اکٹھا کر لو، جس جس کو چاہو اپنے ہم خیالوں میں سے جمع کر لو اور اپنی طرف سے کوئی کوشش اٹھا نہ رکھو' پھر پوری طاقت سے بغیر ایک دم کی مہلت دیتے ہوئے میرا خاتمہ کر دو۔ میرے لیے وہ پروردگار کافی ہے اور وہی اپنے متقی بندوں کا مددگار ہے۔''

جب حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ نے اطمینان فرمایا کہ سیاہ دلان بد باطن کیلئے کوئی عذر باقی نہ رہا

اور اتمامِ حجت ہو چکا اور یہ لوگ کسی طرح خونِ ناحق اور ظلم سے باز آنے والے نہیں تو امامِ عالی مقامؓ نے فرمایا کہ تم جوارادہ رکھتے ہو پورا کرو اور جس کو میرے مقابلہ کیلئے بھیجنا چاہتے ہو بھیجو۔ مشہور بہادر اور یگانہ نبرد آزما جن کو سخت وقت کیلئے محفوظ رکھا گیا تھا، میدان میں بھیجے گئے۔ ایک بے حیا ان کے مقابل تلوار چمکاتا آتا ہے امامِ عالی مقامؓ تشنہ کام کو تلوار کی دھار دکھاتا ہے، پیشوائے دین کے سامنے اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتا ہے، غرور وقوت میں سرشار ہے، کثرتِ لشکر اور تنہائی امامؓ پر نازاں ہے۔ آتے ہی حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کی طرف تلوار کھینچتا ہے، ابھی ہاتھ اٹھا ہی تھا کہ امامِ عالی مقامؓ نے ضرب لگائی سر کٹ کر دور جا گرا اور غرور وشجاعت خاک میں مل گیا' دوسرا بڑھا اور چاہا کہ امامِ عالی مقامؓ کے مقابلے میں ہنر مندی کا اظہار کر کے سیاہ دِلوں کی جماعت میں سرخروئی حاصل کرے، ایک نعرہ مارا اور پکار کر کہنے لگا کہ بہادرانِ کوہ شکن! شام اور عراق میں میری بہادری کا غلغلہ ہے اور مصر اور روم میں' میں شہرۂ آفاق ہوں دنیا بھر کے بہادر میرا لوہا مانتے ہیں آج تم میرے زورِ قوت کو اور داؤ پیچ کو دیکھو۔ یزیدی لشکری اس متکبر سرکش کی اس بڑھک سے بہت خوش ہوئے اور سب دیکھنے لگے کہ کس طرح امامِ عالی مقامؓ سے مقابلہ کرے گا۔ لیکن امام نے ایک ہی وار میں سر قلم کر کے جہنم رسید کر دیا۔

لشکریوں کو یقین تھا کہ حضرت امامِ عالی مقامؓ پر بھوک اور پیاس کی تکلیف حد سے گزر چکی ہے، صدموں نے ضعیف کر دیا ہے اور تنہا مقابلہ پھر بھی ناممکن دکھائی دے رہا ہے اس لیے دوڑ پڑے اور حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا اور تلواریں برسانی شروع کی۔ حضرت امامؓ خونخواروں کے گھیرے میں اپنی تیغِ آبدار کے جوہر دکھا رہے تھے، جس طرف گھوڑا بڑھا دیا پرے کے پرے کاٹ ڈالے، دشمن ہیبت زدہ ہو گئے اور حیرت میں آ گئے کہ امامِ عالی مقامؓ کے اس قہر سے رہائی کی کوئی صورت نہیں، ہزاروں آدمیوں میں گھرے ہوئے ہیں اور دشمنوں کا سر اس طرح اڑا رہے ہیں جس طرح بادِ خزاں کے جھونکے درختوں سے پتے گراتے ہیں ابنِ سعد اور

اس کے مشیروں کو بہت تشویش ہوئی کہ اکیلے امامِ عالی مقامؓ کے مقابل ہزاروں جماعتیں ہیچ ہیں، فیصلہ یہ ہوا کہ دست بدست جنگ میں ہماری ساری فوج بھی اس شیرِ حق سے مقابلہ نہیں کرسکتی۔ علاوہ اس کے کوئی صورت نظر نہیں آئی کہ چاروں طرف سے امامِ عالی مقامؓ پر تیروں کا مینہ برسایا جائے اور جب خوب زخمی ہو چکیں تو نیزوں کے حملوں سے نازک بدن کو مجروح کیا جائے۔ تیر اندازوں کی جماعتیں ہر طرف سے گھر آئیں اور امامِ عالی مقامؓ کو گیدڑوں کے گروہ نے گھیر کر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ گھوڑا اس قدر زخمی ہو گیا کہ اس میں کام کرنے کی قوت باقی نہ رہی، ناچار حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ کو ایک جگہ ٹھہرنا پڑا۔ ہر طرف سے تیر آرہے ہیں اور امامِ مظلومؓ کا تنِ ناز پرور نشانہ بنا ہوا ہے۔ نورانی جسم زخموں سے چکنا چور اور لہولہان ہو رہا ہے۔ بے غیرت اور بے شرم کوفیوں نے سنگدلی سے محترم مہمان کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ ایک تیر جبینِ اقدس پر لگا' یہ جبینِ اقدس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بوسہ گاہ تھی۔ نورانی پیکر خون میں نہا گیا اور ایسے وقت امامِ عالی مقامؓ پر غالب آجانا کچھ مشکل نہیں تھا۔ جب شامی فوج کا ایک گستاخ اور ظالم سرکشانہ گھوڑا دوڑاتا سامنے آیا حضرت امامِ عالی مقامؓ نے فرمایا ''تو مجھے جانتا نہیں جو میری طرف اس دلیری سے آتا ہے، ہوش میں آ، اس طرح ایک ایک مقابل آیا تو تیغِ خون آشام سے سب کا کام تمام کر دیا جائے گا۔ حسینؓ کو کمزور اور بیکس دیکھ کر حوصلہ مندیوں کا اظہار کر رہے ہو، نامردو میری نظر میں تمہاری کوئی حقیقت نہیں۔'' شامی جوان یہ سن کر اور طیش میں آگیا اور بجائے جواب کے حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ پر تلوار کا وار کیا حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ نے اس کا وار بچا کر کمر پر تلوار ماری۔ معلوم ہوتا تھا کھیرا تھا جو کاٹ ڈالا۔ اہلِ شام کو اب یہ اطمینان تھا کہ امام کے سوا اب کوئی باقی ہی نہ رہا کہاں تک نہ تھکیں گے' پیاس کی حالت، دھوپ کی تپش نڈھال کر چکی تھی' بہادری کے جوہر دکھانے کا وقت ہے جہاں تک ہو ایک ایک مقابل کیا جائے کوئی تو کامیاب ہو گا۔ اس طرح بڑے بڑے ماہر تیغ زن حضرت امامِ عالی مقام

کے مقابل رہے مگر جو سامنے آیا ایک ہی ہاتھ میں اس کا قصہ تمام فرمایا، کسی کے سر پر تلوار ماری تو زین تک کاٹ ڈالی، کسی کے حمائلی ہاتھ مارا تو قلمی تراش دیا، کسی کو نیزہ پر اٹھایا اور زمین پر پٹک دیا، کسی کے سینے میں نیزہ مارا اور پار نکال دیا۔

کوفہ کے نام نہاد بہادروں اور دلیروں کے غلیظ خون سے کربلا کی رات کو سیراب کر دیا، نعشوں کے انبار لگ گئے، بڑے بڑے فخرِ روزگار اور بہادر کام آ گئے۔ لشکرِ دشمنان میں شور برپا کر دیا کہ جنگ کا یہ انداز رہا تو حیدرِ کرارؓ کا شیر کوفہ کی عورتوں اور بچوں کو بیوہ اور یتیم بنا کر چھوڑے گا اور اس کی تلوارِ بے پناہ سے کوئی بہادر جان بچا کر نہ جا سکے گا۔ موقع مت دو اور چاروں طرف سے گھیر کر یکبارگی حملہ کرو۔ اس طرح یہ بدبخت حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ کے مقابلہ سے عاجز آئے اور یہی صورت اختیار کی جس سے آپ رضی اللہ عنہٗ زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ عصر کا وقت تھا سر کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھکا دیا۔ ظالموں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا اور حضرت امامِ عالی مقامؓ کی مصیبتوں کا اسی پر خاتمہ نہیں ہو گیا اِن ایمان کے دشمنوں نے سر مبارک کو تنِ اقدس سے جدا کرنا چاہا اور نصر ابنِ خرشہ اس ناپاک ارادہ سے آگے بڑھا مگر امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ کی ہیبت سے اس کے ہاتھ کانپ گئے اور تلوار چھوٹ پڑی۔ خولی ابنِ یزید پلید نے یا شبل ابنِ یزید نے بڑھ کر سرِ اقدس کو تنِ مبارک سے جدا کر دیا۔

جن کو دھوکے سے کوفہ بلایا گیا
جن کو بیٹھے بٹھائے ستایا گیا
جس کے بچوں کو پیاسے رلایا گیا
جن کی گردن پہ خنجر چلایا گیا
جس نے حق کربلا میں ادا کر دیا
اپنے نانا کا وعدہ وفا کر دیا
اُس حسینؓ ابنِ حیدر پہ لاکھوں سلام

عاشق جانباز نے تسلیم و رضا کی وہ مثال قائم کی جس کو اب تک نہ تو تاریخ دہرا سکی اور نہ دہرا سکے گی آپ نے راہ عشق میں وہ مثال قائم کی جو قیامت تک عاشقانِ الٰہی کے لہو گرماتی رہے گی۔

محرم ۶۱ھ کی 10 تاریخ جمعۃ المبارک کے روز چھپن سال پانچ ماہ پانچ دن کی عمر میں حضرت امامِ عالی مقامؓ نے اس ناپائیدار دنیا سے رحلت فرمائی اور داعیٔ اجل کو لبیک کہی۔ ابنِ زیاد بدنہاد نے سرِ مبارک اور شہزادیوں کو ننگے سر کوفہ کے کوچہ و بازار میں پھروایا اور اس طرح اپنی بے حمیتی و بے حیائی کا اظہار کیا۔ پھر حضرت سیّد الشہداء اور ان کے تمام جانباز شہداء کے مبارک سروں کو اسیرانِ اہلِ بیتؓ کے ساتھ شمر ناپاک کی ہمراہی میں یزید کے پاس دمشق بھیجا۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ اپنے پنجابی ابیات میں آپ رضی اللہ عنہٗ کی شان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عاشق سوئی حقیقی جیہڑا، قتل معشوق دے منّے ھُو
عشق نہ چھوڑے مکھ نہ موڑے' توڑے سے تلواراں کھنّے ھُو
جِت وَل ویکھے راز ماہی دے' لگے اُوسے بنّھے ھُو
سچا عشق حسینؓ ابن علیؓ دا باھُوؒ' سر دیوے راز نہ بھنّے ھُو

اس بیت میں آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے عشقِ حقیقی کی بلندیوں کا ذکر فرما رہے ہیں:

آپ امامِ وقت اور اس دور کے انسانِ کامل تھے اور نائبِ رسولؐ کے منصب پر فائز تھے اور انسانِ کامل کسی کی بیعت کر ہی نہیں سکتا اور انسانِ کامل کی زبان کُن کی زبان ہوتی ہے اگر آپؓ دریائے فرات کو اشارہ کرتے تو وہ چل کر خیموں تک آ جاتا۔ آسمان کو اشارہ کرتے تو بارش برسنے لگتی۔ کربلا کی ریت کو اشارہ کرتے تو اس کا طوفان یزیدی لشکر کو غرق کر دیتا لیکن ایک طرف یہ سب کچھ تھا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی رضا کہ مقابلہ عام انسانوں کی طرح کرنا ہے کوئی باطنی طاقت استعمال نہیں کی۔ آپؓ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ اسی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ عاشقِ حقیقی وہی ہوتا ہے جو معشوقِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) کے ہاتھوں اپنا قتل ہونا قبول کر لے اور باوجود تکالیف اور مصائب کے نہ تو راہِ عشق سے منہ موڑے اور نہ ہی تسلیم و رضا کی راہ میں اس کے قدم متزلزل ہوں خواہ سینکڑوں تلواریں اس کے جسم کو چھلنی کر دیں اصولِ عشق تو یہی ہے کہ اس کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جائے۔ آپؒ فرماتے ہیں: عشق کے اس میدان میں حضرت امام حسینؓ جیسا کوئی نہیں ہے جنہوں نے سر دے دیا لیکن اپنے محبوب کے راز کو آشکار نہیں کیا۔

جے کر دِین علم وِچ ہوندا، تاں سِر نیزے کیوں چڑھدے ھُو

اٹھارہ ہزار جو عالم آہا، اگے حسینؓ دے مَردے ھُو

جے کُجھ ملاحظہ سروَر دا کر دے، تاں تمبو خیمے کیوں سڑدے ھُو

جے کر مندے بیعت رسولیؐ، پانی کیوں بند کردے ھُو

پر صادق دین تنہاں دا باھُو، جو سر قربانی کردے ھُو

مفہوم: سانحہ کربلا کے وقت بہت سے عالم اور فاضل اور نام نہاد ظاہری ایمان والے مسلمان یزید کی فوج میں موجود تھے جنہوں نے صرف حُبِ دنیا اور مال و متاع کے لئے اہلِ بیت کے ساتھ جنگ کی۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ اس کائنات کے بھی اٹھارہ ہزار عالم (جہان) بیان فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمائے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کا اشارہ اُن اٹھارہ ہزار عالم (جہان) کی مخلوق کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ آپؒ سانحہ کربلا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر دین ظاہری علوم (علم شریعت، علم فقہ اور علم حدیث) میں ہی پنہاں ہوتا تو اہلِ بیت کے مقدس سروں کو نیزوں پر نہ چڑھایا جاتا بلکہ تمام کے تمام اٹھارہ ہزار عالم حضرت امام حسینؓ کے سامنے جان قربان کر دیتے اگر اِس زمانہ کے علماء اپنے دِلوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذرا سا بھی ادب و احترام رکھتے تو اہلِ بیت کے خیمے کیوں جلتے؟ اگر یہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کا ذرا سا بھی حیا کرتے تو پانی کبھی بند نہ کرتے۔ مگر سچا دین تو عاشقان کا ہوتا ہے جو سر

قربان کر دیتے ہیں مگر اپنے عشق پر حرف نہیں آنے دیتے۔

امامِ عالی مقامؓ شہید ہو گئے مگر یزید کی بیعت نہ کی

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے اور پھر کچھ سوانح نگاروں نے یہ لکھا بھی ہے کہ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ نے اپنی تین شرائط پیش کی تھیں۔

1. میں واپس لوٹ جانا چاہتا ہوں۔
2. مجھے مسلمانوں کی سرحد پر بھیج دیا جائے۔
3. میں دمشق جا کر یزید سے خود مل کر معاملہ طے کروں گا۔

امام ابنِ کثیرؒ اپنی کتاب ''سیرت نواسۂ رسولؐ سیّد الشہدا سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہٗ'' میں تحریر فرماتے ہیں ''ابو مخنف نے عبد الرحمٰن بن جندب سے اور انہوں نے عقبہ بن سمعان سے روایت کی ہے کہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کی مکہ سے روانگی کے وقت سے لے کر ان کی شہادت تک ان کے ہمراہ رہا کسی جگہ بھی آپ رضی اللہ عنہٗ نے کوئی کلمہ نہیں فرمایا جو میں نے یہ سنا ہو، آپ رضی اللہ عنہٗ نے ہرگز یہ سوال نہ کیا تھا کہ انہیں یزید کے پاس لے جایا جائے اور وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں گے اور نہ یہ فرمایا تھا کہ انہیں کسی سرحد پر جانے دیا جائے بلکہ آپ رضی اللہ عنہٗ نے ان دو امور میں سے ایک کا مطالبہ کیا تھا اوّل یہ کہ جہاں (مدینہ) سے آپ رضی اللہ عنہٗ آئے ہیں وہیں واپس چلے جائیں کیونکہ مدینہ منورہ ہی اہلِ بیتؓ کا مرکز تھا، امام حسین رضی اللہ عنہٗ اپنے مرکز واپس جانا چاہتے تھے۔ دوسرا یہ کہ انہیں کسی دور دراز علاقے میں جانے دیا جائے جہاں رہ کر وہ دیکھیں کہ اس معاملہ میں عوام کا کیا ردِ عمل ہے۔''

ایک بات تو یہ کہ آپ رضی اللہ عنہٗ نے واپس لوٹنے کا نہیں کہا بلکہ کہا کہ میں مدینہ چلا جاتا ہوں' دوسرا آپ رضی اللہ عنہٗ کسی دور دراز علاقہ میں جا کر حالات کا جائزہ لینا چاہتے تھے۔ رہی یزید سے

ملاقات کی بات تو اس کا تو آپ رضی اللہ عنہٗ نے تذکرہ تک نہیں کیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ رضی اللہ عنہٗ ایک فاسق اور فاجر آدمی کی بیعت کرتے اور اس سے مفاہمت یا جان بخشی کا کوئی معاملہ کرتے؟ بیعت کرنا ہوتی تو مدینہ میں ہی کر لیتے۔ اتنا سفر کرنے اور صعوبتیں اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہٗ امامِ وقت تھے اور امامِ وقت کسی دوسرے کی بیعت نہیں کر سکتا۔ فرض کریں اگر ظاہری معاملاتِ حکومت میں بیعت کرنا بھی ہوتی تو امام ایک فاسق اور فاجر کی بیعت کیسے کر سکتے تھے اور اس سے معاملات کیسے طے ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کچھ سوانح نگاروں نے تاریخی غلطی کی اور اسی غلطی کی بنیاد پر اُن سوانح نگاروں نے لکھا کہ یزید نے امام حسین رضی اللہ عنہٗ کا سرمبارک دیکھ کر ابنِ زیاد کو بُرا بھلا کہا اور رونے لگا تھا۔ یہ اس کی سیاسی شعبدہ بازی تھی اور پھر اگر کہا بھی ہوگا اور رویا بھی ہوگا تو مکاری سے، جیسا کہ آج کل کے حکمران عوام کے غضب سے بچنے یا انہیں بے وقوف بنانے کے لیے مکاری سے کام لیتے ہیں۔ عبید اللہ بن زیاد کو تو اس نے کوفہ کا گورنر تعینات ہی امام کے قتل کے لیے کیا تھا۔ اصل ذمہ دار تو یزید ہے عبید اللہ بن زیاد اور عمرو بن سعد تو اس کے کارندے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اُس زمانہ میں کھل کر کربلا کے واقعہ پر اعتراض نہیں کر سکتے تھے جس طرح آج کل کے لوگ کر رہے ہیں۔ اس لیے انہوں نے اس طرح کی روایات کا سہارا لیا تاکہ پوشیدہ الفاظ کے ذریعہ تاریخ کو گڈمڈ کیا جا سکے۔ مدینہ سے لے کر عاشورہ کے دن تک کے واقعات اس بات کے شاہد ہیں کہ یزید امامِ عالی مقامؓ سے خوفزدہ تھا اور ہر حالت میں آپ رضی اللہ عنہٗ کو شہید کرنا چاہتا تھا۔

دورِ جدید کے یزید اور یزیدی نظریات

1۔ حدیثِ قسطنطنیہ کی حقیقت

اسلامی تاریخ میں شیطانیت اور فرعونیت کا سب سے بڑا مظہر یزید ملعون ہے جس کے کالے کرتوت

کسی بھی مسلمان سے نہیں چھپے لیکن وہ نام نہاد مسلمان جن کا ظاہری علم ان کا شیطان بن گیا ہے عجیب وغریب اور بے تکی منطق پیش کر کے جانے کیوں یزید علیہ العنت کا دفاع کرتے ہیں، نہیں معلوم انہیں یزید کی اس فضول وکالت سے کون سی روحانی ، بلکہ یوں کہا جائے کہ شیطانی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یزید جیسے شیطان کے حق میں وکالت کر کے وہ صرف اپنے اندر کے شیطان کو راضی کر رہے ہوتے ہیں ورنہ کوئی سچا مسلمان ان کی کسی بھی دلیل سے متفق نہیں ہوتا بلکہ یزید کے ساتھ ساتھ یزید کی وکالت کرنے والے پر بھی لعنت بھیجتا ہے۔

یزید کے یہ وکیل یزید کے حق میں دلیل پیش کرنے کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حدیث مبارکہ پیش کرتے ہیں جسے حدیثِ قسطنطنیہ کہا جاتا ہے اور جسے بخاری شریف سمیت تقریباً تمام احادیث کی صحیح کتب میں روایت کیا گیا ہے۔ حدیث شریف یوں ہے کہ حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ہم سے اسحاق بن یزید دمشقی نے بیان کیا کہا کہ ہم سے یحییٰ بن حمزہ نے بیان کیا کہا کہ مجھ سے ثور بن یزید نے ، انہوں نے کہا خالد بن معدان سے روایت کیا ہے کہ عمیر بن اسود عسنی نے ان سے بیان کیا کہ وہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہٗ کے پاس آئے جب کہ وہ حمص کے ساحل پر ایک مکان میں تھے۔ ان کی زوجہ ام حرام رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ تھیں۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہٗ نے کہا ہم سے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے (حدیث پاک) بیان کی کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کا پہلا لشکر جو سمندر میں (سوار ہو کر) جنگ کرے گا تحقیق ان کے لیے (جنت) واجب ہوگئی (قد اوجبو) حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں بھی ان میں ہوں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تو ان میں ہو گی۔ کہتی ہیں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) میں جہاد کرے گا (مغفور لھم) وہ مغفور (یعنی بخشا ہوا) ہوگا'' حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا

کہتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا میں اس میں بھی ہوں گی؟ فرمایا نہیں۔'' (بخاری شریف جلد 1 صفحہ 410-409، مستدرک حاکم، البدایۃ والنہایۃ، فتح الباری، دلائل النبوۃ للبیہقی، تفہیم البخاری)

یزید کے حمایتی اسی حدیث کا سہارا لے کر یزید کو مغفور لھم (ان کے لیے بخشش ہے) کے تحت بخشا ہوا اور قد اوجبو (ان پر جنت واجب ہوئی) کے تحت جنتی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں یزید پہلے بحری بیڑے میں بھی شامل تھا جس نے سمندر میں جنگ کی اور اسی کی کمان میں قسطنطنیہ فتح ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حدیث پاک علمِ غیب پر مشتمل ہے اور علمِ غیب کی تمام احادیث کی طرح اپنے وقت پر سچ ثابت ہوئی کیونکہ حضرت اُمِ حرام رضی اللہ عنہا جن سے یہ حدیث مبارک مروی ہے واقعی اس پہلے لشکر میں شامل تھیں جس نے سمندر میں جنگ کی لیکن اس لشکر میں شامل نہ تھیں جس نے قسطنطنیہ فتح کیا کیونکہ آپؓ سمندر کی جنگ سے واپسی پر شام میں ایک سواری کے جانور سے گر کر ہلاک ہو گئیں تھیں۔ مندرجہ بالا حدیث کے ساتھ ہی کتبِ حدیث خصوصاً بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''پھر ایسا ہوا کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہٗ نے حضرت اُمِ حرام رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا وہ ان کو (روم کے) جہاد میں لے گئے۔ جب جہاد سے لوٹ کر آرہی تھیں اور اپنے جانور پر سوار ہونے لگیں تو جانور نے انہیں گرا دیا۔ ان کی گردن ٹوٹ گئی اور انتقال کر گئیں اور شہید قرار پائیں۔'' (بخاری شریف)

چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حدیث مبارکہ سو فیصد درست ہے لیکن کسی بھی طرح یزید کے مغفور اور جنتی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اوّل تو یزید اس لشکر میں ہی شامل نہ تھا جس نے سمندر میں پہلی جنگ کی۔ مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ لشکرِ اسلام نے بحری جنگ کا آغاز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کیا اور ان کے دور میں بحری جہاد کے لیے اوّلین

اسلامی لشکر کی نشاندہی تاریخ کے صفحات میں 27 ہجری سے 33 ہجری تک نظر آتی ہے۔ جبکہ دوسری بار اسلامی لشکر نے بحری جہاد کا سفر 52 ہجری سے 58 ہجری کے کسی سال میں کیا۔ پہلے بحری لشکر میں تو یزید کا شامل ہونا ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ یزید کا سن پیدائش تقریباً 26 ہجری کے آس پاس بنتا ہے کیونکہ 60 ہجری میں واقعہ کربلا کے وقت اس کی عمر 34 سال تھی۔ اس حساب سے اگر پہلے بحری بیڑے کی روانگی 33 ہجری میں بھی تسلیم کر لی جائے تو اس وقت یزید کی عمر صرف سات سال ہوگی ظاہر ہے اتنی سی عمر میں وہ بحری جہاد پر نہ گیا ہوگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے لشکر کے لیے مغفرت کی شہادت دی اس میں تو یزید شامل نہیں تھا۔ یہ پہلا بحری بیڑا حضرت امیر معاویہؓ نے رومی حملوں کو روکنے کے لیے حضرت عثمان غنیؓ کی اجازت سے اس وقت قائم کیا جب حضرت امیر معاویہؓ شام کے گورنر تھے اور آپؓ کی ہی قیادت میں اس بحری بیڑے نے پہلا سمندری جہاد کیا۔

دوسرا بحری بیڑا بھی حضرت امیر معاویہؓ نے ہی سمندری جہاد کے لیے بھیجا اور یزید کی نافرمانیوں اور عیاشیوں سے تنگ آ کر اسے اس سمندری جہاد میں زبردستی بھیجا تھا۔ تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ ''50 ہجری میں حضرت امیر معاویہؓ نے ایک لشکر جرار بلاد روم کی طرف حضرت سفیان بن عوفؓ کی قیادت میں روانہ کیا اور اپنے بیٹے کو اس لشکر میں شامل ہونے کا حکم دیا تو یزید پہلے بہانے بنا کر بیٹھا رہا، اس کے حیلے بہانوں سے تنگ آ کر حضرت امیر معاویہؓ نے اس کو رخصت دے دی۔ وہ لشکر راستے میں ابتلا کا شکار ہو گیا اور قحط اور بیماری نے اسے لپیٹ میں لے لیا۔ یزید کو پتہ چلا تو اس نے یہ شعر پڑھا:

ترجمہ: مجھے ہرگز اس کی پرواہ نہیں کہ ان لشکروں پر مقام فرقدونہ پر بخار اور سختی کی بلائیں نازل ہوگئی ہیں۔ جب کہ میں دیر مِراٰں میں اونچے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں اور اُمِ کلثوم میرے پاس بیٹھی ہیں۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ شعر سنے تو قسم کھائی کہ اب میں یزید کو سفیان بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس ضرور بھیجوں گا تاکہ اس کو بھی ان مصیبتوں کا حصہ ملے جو لوگوں پر نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ یزید کو ایک جماعت کثیرہ کے ساتھ جس میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، ابنِ عمر رضی اللہ عنہ، ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، روانہ کیا۔ (تاریخ کامل ابن اثیر۔ جلد۳ صفحہ 459-458) یہی وہ جماعت ہے جس نے قسطنطنیہ فتح کیا۔ یعنی یزید قسطنطنیہ فتح کرنے والوں میں شامل تو تھا لیکن اپنی خوشی سے نہیں بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے زبردستی بھیجا تھا۔

یہی واقعہ تاریخ ابن خلدون عربی جلد۳ صفحہ 10 پر بھی ہے۔ پس اگرچہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے بحری بیڑے میں یزید شامل تھا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت کی بشارت صرف پہلے بحری بیڑے میں شامل ہونے والوں کو دی تھی جسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا اور جس میں یزید شامل نہ تھا۔

دوسری بشارت ''مغفور لھم'' کی ان کے لیے ہے جنہوں نے قسطنطنیہ فتح کیا۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر یزید بن معاویہ نے جہاد کیا اور اس کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت تھی جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ 52 ہجری میں وہیں شہید ہو گئے۔''

اگرچہ حدیث پاک کے مطابق قسطنطنیہ میں پہلا جہاد کرنے والوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ''مغفور لھم'' جماعت شامل تھی لیکن یزید کا ان جہاد کرنے والوں میں شامل ہونا اس کو ''مغفور لھم'' کے گروہ میں شامل نہیں کرتا۔ جس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ جہاد میں شامل ہونے کا تعلق خوشی اور صدق سے ہے جب کہ یزید کو زبردستی بھیجا گیا اور جبر سے ہونے والے عمل سے مغفرت لازم کیسے ہو سکتی ہے اور دوسرا مغفرت کا تعلق حالتِ ایمان میں خاتمہ پر

ہے۔ جو شخص حالتِ ایمان میں فوت ہی نہ ہوا اس کے لیے مغفرت کیسی؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ غزوہ میں شریک ایک شخص نہایت بہادری سے لڑا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے متعلق واضح طور پر فرما دیا تھا کہ یہ دوزخی ہے کیونکہ وہ شخص خلوصِ نیت سے جہاد میں شریک نہیں تھا بلکہ محض ریاکاری اور دکھاوے کے لیے شامل تھا۔ بعد میں وحی کے ذریعے اس غزوہ میں شریک دیگر تمام مجاہدین کی مغفرت کی بشارت دے دی گئی لیکن وہ بشارت اس مخصوص شخص کے لیے نہیں تھی کیونکہ وہ مومن ہی نہ تھا لہٰذا مجاہد بھی نہ تھا محض لڑائی کا ایک شریک کار تھا۔ یزید کے مومن یا مجاہد ہونے کی دلیل کیسے پیش کی جا سکتی ہے کہ اس کی ایک تو شرکت جبری تھی اور پھر اس کی پیدائش سے لے کر موت تک اس کی تمام زندگی اس کے کالے کرتوتوں سے بھری ہوئی ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ اور ان کے اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کا خون تو اس کے تمام گناہوں پر حاوی ہے لیکن اگر اس گناہِ کبیرہ سے قطع نظر اس کے دیگر قبیح اعمال پر نظر کی جائے تو اس کے مومن ہونے تو دور کی بات مسلمان نہ ہونے پر بھی کوئی شک نہیں رہتا۔ شراب نوشی، زنا، سود خوری، ظلم تو شاید اللہ کے ہاں قابل معافی ہوں لیکن شہادت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کے بعد جو بے حرمتی اس نے اور اس کی سپاہ نے خانہ کعبہ اور مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کی اس کے بعد تو اس کے اسلام سے خارج ہو جانے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔ اس نے خانہ کعبہ پر منجنیق کے ذریعے گولہ باری کرائی، حرمِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں گھوڑے باندھے جو وہاں لید کرتے، مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ہی مظلوم مومن عورتوں کے ساتھ سپاہِ یزید نے زنا کیا، ایک لاکھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور بزرگوں کو ناحق قتل کرایا۔ ان تمام گندگیوں کے باوجود بھی کوئی یزید کو مغفور اور بہشتی کیسے کہہ سکتا ہے۔ ایمان اور اسلام کے سب سے کمتر درجے کا مسلمان بھی نہ ہی ایسے قبیح اعمال کرنے کا تصور کر سکتا ہے اور نہ ہی ایسے اعمال کرنے والے کو دائرہ اسلام میں شامل سمجھ سکتا ہے۔ ہاں البتہ منافقین کو چھوٹ ہے کہ وہ ایسے کافر کو جیسے چاہیں مسلمان، مغفور اور

جنتی ثابت کریں کیونکہ ان کے اپنے ایمان کا یہی حال ہے۔ جیسا کہ ایک نام نہاد محقق مہلب کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محولا بالا حدیثِ مبارکہ کے متعلق کہنا ہے کہ ''اس حدیث میں معاویہ کی منقبت ہے کیونکہ انہوں نے پہلا سمندری جہاد کیا اور ان کے بیٹے یزید کی منقبت ہے کہ اس نے پہلی بار مدینہ قیصر پر چڑھائی کی۔'' مہلب کا یہ قول فتح الباری جلد 2 صفحہ 128-127 پر درج ہے لیکن ساتھ ہی اس قول کے رد میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ ''جبکہ اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قول مغفور لھم مشروط ہے (اہلِ مغفرت سے) حتیٰ کہ اگر کوئی اس غزوہ کے بعد مرتد ہو جائے تو وہ متفقہ طور پر اس عموم سے خارج ہے پس یہ دلیل ہے جس میں شرطِ مغفرت پائی جاتی ہے۔'' مہلب ہی کی پیروی میں ابن التین اور ابن منیر نامی محققوں نے یزید کو مغفور ثابت کرنے کی کوشش کی اور انہی کے دلائل استعمال کر کے موجودہ دور کے جاہل علماء بھی یزید کی وکالت کرتے ہیں۔ چند سال قبل شائع ہونے والے ماہنامہ میثاق کے صفحہ 24 پر لکھا ہے ''یہ ایک حقیقت ہے کہ سب سے اوّل قسطنطنیہ پر جہاد کرنے والا لشکر مغفور ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس لشکر کا امیر و قائد یزید تھا۔'' اور اپنے اس قول کی دلیل میں مہلب کا مندرجہ بالا قول ہی استعمال کیا ہے اور نہایت چالاکی سے اس قول کے لیے فتح الباری جیسی مستند کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے وہ جملے کاٹ ہی دیئے ہیں جس میں مہلب کے قول کو رد کر دیا گیا ہے اور یوں عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ فتح الباری نے مہلب کا یہ قول پیش کیا ہے، اور جیسے فتح الباری کے مصنف کا اپنا بھی یہی خیال ہے۔ حالانکہ بڑے بڑے علماء کرام نے اس قول کو مطلقاً رد کر دیا ہے۔ علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اس میں یزید کی کون سی منقبت ہے جب کہ اس کا حال مشہور ہے۔ اگر تو کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس لشکر کے بارے میں مغفور لھم فرمایا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ عموم میں داخل ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ دلیلِ خاص سے بھی خارج نہ ہو سکے کیونکہ اہل علم کا

اس سے کوئی اختلاف نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد مشروط ہے کہ وہ اہلِ مغفرت سے ہو حتیٰ کہ کوئی جہاد کرنے والوں میں سے اس جہاد کے بعد مرتد ہو جائے تو وہ اس عموم میں داخل نہیں ہوگا۔ پس یہ دلیل ہے اس پر کہ مغفور وہ ہے جس میں ان میں سے شرطِ مغفرت پائی جائے۔'' (یعنی جو مغفرت کے لائق ہو)

بخاری شریف کی شرح ''ارشاد الساری'' میں بھی لکھا ہے کہ ''اور جو شہر قسطنطنیہ پر پہلی بار حملہ آور ہوا وہ یزید تھا اور اس کے ساتھ سادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت بھی تھی مثل ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن زبیر رضی اللہ عنہ، ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ۔ اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے 52 ہجری کو وہیں انتقال فرمایا۔ اس سے مہلب نے یزید کی خلافت اور اس کے جنتی ہونے کی دلیل پکڑی ہے کہ مغفور لھم کے ارشاد کے عموم میں داخل ہے۔ اور یزید کے اس عموم میں داخل ہونے سے یہ ضروری نہیں کہ وہ کسی خاص دلیل کی وجہ سے بھی اس سے خارج نہیں ہوسکتا کیونکہ اس پر اتفاق کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان مغفور لھم مشروط ہے۔ اس شرط کے تحت صرف وہ لوگ مغفرت کے اہل ہوں گے جو ایمان پر فوت ہوں گے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص جنگ کے بعد مرتد ہو جائے تو وہ بالاتفاق اس بشارت سے خارج ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح تراجم ابواب بخاری میں اس حدیث کے متعلق بیان کرتے ہیں ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حدیث میں ''مغفور لھم'' فرمانے سے بعض لوگوں نے یزید کی نجات پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ بھی اس دوسرے لشکر میں نہ صرف شریک تھا بلکہ اس کا سربراہ تھا جیسا کہ تاریخ شہادت دیتی ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اس غزوہ سے پہلے جو اس نے گناہ کیئے تھے وہ بخش دیئے گئے کیونکہ جہاد کفارات میں سے ہے اور کفارات کا کام یہ ہے کہ وہ سابقہ گناہوں کے اثر کو زائل کر دیتے ہیں، بعد میں ہونے والے گناہوں کے اثر کو نہیں۔ ہاں اگر اس کے ساتھ یہ

بھی فرما دیا ہوتا کہ قیامت تک کے لیے اس کی بخشش کردی گئی تو بے شک یہ حدیث اس کی نجات پر دلالت کرتی اور جب یہ صورت نہیں تو نجات بھی ثابت نہیں بلکہ اس صورت میں اس کا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد ہے۔''

یزید نے تو اصل ناقابلِ معافی گناہ کیئے ہی اس جہاد کے بعد تھے، ناحق خلافت کی، اسے ہر شخص پر ٹھونسا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جان سے پیارے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ اور ان کے اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کو نہایت سفاکی سے قتل کیا اور اس کے بعد مکہ و مدینہ کی پاک گلیوں میں وہ غلاظت بکھیری کہ معاذ اللہ، ان سب کرتوتوں کے بعد وہ کہاں کا مغفور رہ گیا۔

2۔ واقعہ کربلا

یزیدیت کے انہی وکیلوں کی یہ بات سن کر بھی حیرت اور کوفت ہوتی ہے اور تعجب بھی کہ معرکۂ کربلا اقتدار کے لیے دو شہزادوں کی جنگ تھی۔ ایسے گمراہ لوگ اور گروہ یزید کو امیر المومنین اور امام عالی مقامؓ کو باغی (نعوذ باللہ) کہتے ہیں۔ اب تو اس بارے میں کتب بھی چھپ رہی ہیں اور ان کے دل کا بغض اور عناد چھپائے نہیں چھپتا۔ ان گمراہ، فاسق، منافق اور لعنتی لوگوں اور گروہوں کی پست سوچ پر افسوس بھی ہوتا ہے۔ اے نادانو! عقل کے اندھو! امام عالی مقامؓ کے نزدیک یہ اقتدار کی جنگ کیسے ہو سکتی ہے انہیں تو بچپن سے ہی معلوم تھا کہ کربلا کا سفر کروں گا اور وہاں مجھے جامِ شہادت نصیب ہوگا۔ انہیں تو پہلے ہی آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معلوم ہو چکا تھا کہ میرا سر زمینِ عراق کا سفر، سفرِ شہادت ہوگا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اقتدار کی جنگ تھی، انہیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ معاذ اللہ امام عالی مقامؓ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمانِ مبارک پر یقین نہیں تھا۔ اگر ایسی بات نہیں ہے اور یقین ہے تو پھر تسلیم کرنا

پڑے گا کہ امام عالی مقامؓ اقتدار کے لیے نہیں جا رہے تھے بلکہ وہ تو اپنے انجامِ شہادت کی طرف بڑھ رہے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہٗ کی شہادت کی خبر پہلے ہی دے دی تھی۔ ذیل میں آقا دو جہان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیان کردہ روایات تحریر کی جا رہی ہیں جو ان گمراہوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ ابھی بچے تھے کہ آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت اُمِ سلمہؓ کو اس جگہ کی مٹی عطا فرمائی جہاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ نے شہادت پانا تھی۔

چنانچہ اُم المومنین حضرت اُمِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حسنؓ اور حسینؓ دونوں میرے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے کھیل رہے تھے کہ جبرائیل امینؑ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بے شک آپ کی امت میں سے ایک جماعت آپ کے اس بیٹے حسینؓ کو آپ کے بعد قتل کر دے گی اور آپ کو (وہاں کی تھوڑی سی) مٹی دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس مٹی کو اپنے سینہ مبارک سے چمٹا لیا اور روئے اور پھر فرمایا:

''اے اُمِ سلمہؓ! جب یہ مٹی خون میں بدل جائے تو جان لینا کہ میرا یہ بیٹا قتل ہو گیا ہے۔''

حضرت اُمِ سلمہؓ نے اس مٹی کو بوتل میں رکھ دیا تھا اور وہ ہر روز اس کو دیکھتیں اور فرماتیں ''اے مٹی! جس دن تُو خون ہو جائے گی وہ دن میرے بیٹے کی شہادت کا ہوگا۔'' (خصائصِ کبریٰ 2:125، سرالشہادتین 28، المعجم الکبیر للطبرانی 3:108)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہ صرف یہ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کی شہادت کی خبر پہلے ہی دے دی تھی بلکہ جس مقام پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ نے شہادت پانا تھی اس مقام کی نشاندہی بھی فرما دی۔ چنانچہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے فرمایا ''مجھ کو جبرائیلؑ امین نے خبر دی کہ میرا بیٹا حسینؓ میرے بعد زمینِ

طف میں قتل کر دیا جائے گا اور جبرائیلؑ میرے پاس (اس زمین کی) یہ مٹی لائے ہیں اور انہوں نے مجھے بتایا کہ یہی مٹی حسینؓ کا مدفن ہے۔ (سر الشہادتین، 24)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کی شہادت سے کئی سال پہلے صحابہ کرامؓ کے درمیان یہ بات شہرت پا چکی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہٗ کی شہادت کربلا کے مقام پر ہوگی۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہٗ روایت کرتے ہیں کہ بارش برسانے پر مامور فرشتے نے اللہ تعالیٰ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت مانگی جو مل گئی۔ اس دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُم المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے۔ فرشتے کی آمد پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''اے امِ سلمہؓ! دروازے کا خیال رکھنا کوئی اندر داخل نہ ہو''۔

اس اثنا میں کہ آپ دروازے پر نگہبان تھیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ آئے اور بزور اندر چلے گئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کندھوں پر جا چڑھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کو گود میں لے کر چومنے لگے۔ تو فرشتے نے عرض کی:

''کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کو محبوب رکھتے ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''ہاں''۔ فرشتے نے کہا ''بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت اس کو قتل کر دے گی اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھا دوں جہاں یہ قتل کیے جائیں گے؟'' پس اس نے اپنا ہاتھ مارا اور آپ کو وہ مٹی دکھا دی۔ وہ مٹی امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے لے لی اور اپنے کپڑے کے کونے میں باندھ لی۔ راوی کہتے ہیں ''ہم سنا کرتے تھے کہ حسینؓ کربلا میں شہید ہوں گے''۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی سب ازواج میں سب سے زیادہ محبوب تھیں، ان کو مٹی عطا نہیں فرمائی اور نہ ہی کسی اور زوجہ مطہرہ کے سپرد فرمائی بلکہ حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے فرمائی اور فرمایا کہ اے اُمِ سلمہؓ! جب یہ

مٹی خون میں بدل جائے تو یہ سمجھ لینا کہ میرا بیٹا شہید ہو گیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی نگاہِ نبوت سے دیکھ رہے تھے کہ میرے بیٹے کی شہادت کے وقت ازواجِ مطہرات میں سے صرف امِ سلمہؓ ہی زندہ ہوں گی۔ چنانچہ جب واقعہ کربلا ظہور پذیر ہوا اس وقت صرف حضرت امِ سلمہؓ ہی حیات تھیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تمام ازواج وفات پا چکی تھیں۔

محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہ صرف یہ کہ اس جگہ کی نشاندہی فرما دی تھی بلکہ اس سن کی طرف بھی اشارہ فرما دیا تھا جس سن اور سال میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کی شہادت ہونے والی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''60 ہجری کے سال اور لڑکوں کی امارت (حکومت) سے اللہ کی پناہ مانگو۔'' (البدایہ والنہایہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ساٹھ ہجری کے سال سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جانتے تھے کہ ساٹھ ہجری میں میرے جگر گوشوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جائیں گے اور انہیں شہید کیا جائے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی شہادتِ حسینؓ کی جگہ کی نشاندہی فرما دی تھی:

ابو نعیم نے حضرت اصبغ بن نباتہ سے روایت کی ہے کہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کے روضہ کے جگہ سے گزرے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا ''یہ ان کی سواریوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور یہ ان کے خیموں کی جگہ ہے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں اُن کا خون بہایا جائے گا اور اس میدان میں آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نوجوان شہید کیے جائیں گے جن پر زمین وآسمان نوحہ کناں ہوں گے۔'' (خصائصِ کبریٰ جلد دوم)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اہلِ کوفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا ''تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہلِ بیتؓ تشریف لائیں گے اور تم سے مدد طلب کریں گے لیکن تم ان کی مدد نہیں کرو گے۔''

جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تو لوگوں نے رخصت کی راہ دکھائی اور کہا کہ کوفی بے وفا ہیں وہ دھوکہ کریں گے۔ اس کے باوجود آپ کے قدم منزلِ شہادت کی طرف کشاں کشاں بڑھ رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ جانتے تھے کہ اتنی مدت کے انتظار کے بعد آج وہ مبارک گھڑی آ رہی ہے جس گھڑی میں میرے نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جوہرِ شہادت کا ظہورِ تمام ہونا قرار پایا ہے۔ وہ خود کو خوش نصیب تصور کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے جسم کو شہادتِ عظمیٰ کے لیے منتخب فرمایا ہے۔

چنانچہ سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہٗ جب میدانِ کربلا پہنچے تو آپ رضی اللہ عنہٗ نے اپنے ساتھیوں کو بار بار کہا کہ شہادت میرا مقدر ہو چکی ہے، مجھ کو تو شہید ہونا ہے لیکن میں تم پر شہادت ٹھونسنا نہیں چاہتا۔ تم میں سے جس کسی نے جانا ہے رات کے اندھیرے میں چلا جائے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہٗ کو معلوم تھا کہ میری شہادت مقدر کر دی گئی ہے اس لیے آپ رضی اللہ عنہٗ نے جان دینے سے خود کو بچانے کی کوشش نہ کی۔ وہ کسی بھی لمحۂ زندگی میں بارگاہِ خداوندی میں اس انجام سے بچنے کی دعا کرتے نظر نہیں آتے بلکہ رضائے الٰہی کی تکمیل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اب تو ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہیے کہ آپ رضی اللہ عنہٗ اقتدار کے لیے نہیں بلکہ رضائے الٰہی کے لیے میدانِ کربلا میں اترے تھے۔ اقتدار کے لیے جنگ ہوتی تو آپ رضی اللہ عنہٗ کے ساتھ لاکھوں کے مقابلے میں صرف 72 نفوسِ قدسیہ نہ ہوتے اور ان 72 نفوسِ قدسیہ میں بھی عورتیں، بچے اور بوڑھے شامل تھے۔ آپ رضی اللہ عنہٗ اگر چاہتے تو مکہ اور مدینہ سے عظیم لشکر لے کر روانہ ہو سکتے تھے۔ لہو کو گرما دینے والی تقریروں کے ذریعے عوام کو ان کی محرومی کا احساس دلا کر اور مختلف قبائل کے سربراہان کو منصب اور عہدوں کا لالچ دے کر بڑے سے بڑا لشکر تیار کیا جا سکتا تھا مگر سوال فوج کشی کا نہیں تھا، مسئلہ یہ تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہٗ یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر یزیدیت (اسلام کے مخالف گمراہ اصول جو شام میں رائج ہو چکے تھے) کو تسلیم کر

لیں یا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کو برقرار رکھا جائے۔ پھر اس لمحہ اگر آپ رضی اللہ عنہٗ خاموش رہتے اور بیعت کر لیتے تو تا قیامت خلافت وملوکیت، خیر وشر، حق و باطل کی تمیز مٹ جاتی اور نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس بات کے زیادہ حقدار تھے کہ دنیا کو حق و باطل، نبوت وخلافت اور خلافت وملوکیت کے فرق سے آگاہ فرمائیں، اس لیے آپ رضی اللہ عنہٗ اور آپ رضی اللہ عنہٗ کے ساتھی شہید ہو کر اسلام کو زندہ کر گئے اور یہی سب سے بڑی فتح تھی جس کو یزید اور اس کے ساتھی نہ سمجھ سکے اور نہ اب تک سمجھ سکے ہیں اور لعنت کے حقدار ٹھہرے۔

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

3۔حرمِ مدینہ اور مسجدِ نبوی کی بے حرمتی

اگر اب بھی ان یزیدیوں، لعنتی گمراہ لوگوں اور گروہوں کو واقعہ کربلا بغاوت نظر آتی ہے تو لعنتی یزید کے مزید سیاہ کارنامے ہم بیان کر رہے ہیں کہ کس طرح اس نے حرمِ مدینہ اور حرمِ کعبہ کی بے حرمتی کی اس کے بارے میں یہ لوگ اور گروہ کیا کہتے ہیں؟

یزید چونکہ جانتا تھا کہ جب تک امام حسین رضی اللہ عنہٗ کا وجودِ مبارک باقی ہے میری فاسقانہ اور فاجرانہ تمناؤں کو آزادی نصیب نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میری کجروی اور بے راہ روی کو کسی قیمت پر برداشت نہ فرمائیں گے۔ لہٰذا کرب وبلا میں ظلم وستم کا یہ خوفناک کھیل کھیلا گیا اور یہی وجہ تھی کہ شہادتِ امامؓ اس کے لیے مسرت کا باعث ہوئی۔

حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہٗ کا اس دارِ فانی سے کوچ کرنا تھا کہ یزید کُھل کھیلا۔ زنا، لواطت، حرام کاری، بھائی بہن کا بیاہ، سود، شراب بالاعلان رواج پا گئے۔

یزید نے واقعہ کربلا کے بعد مدینہ کے عامل ولید بن عتبہ بن ابوسفیان کو برطرف کر کے عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو مدینہ کا گورنر مقرر کر دیا جو شراب پینے کا عادی تھا اس نے مدینہ منورہ

میں شراب نوشی شروع کر دی یوں یزیدیت کا فروغ مدینہ منورہ میں بھی ہونے لگا۔ اس کی شراب نوشی سے اہلِ مدینہ سخت ناخوش اور بددِل ہوئے واقعہ کربلا کے بعد اہلِ مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی اور عاملِ مدینہ کو مدینہ سے نکال دیا۔

یزید کی شقاوت اور سیاہ بختی کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جس وقت اسے یہ اطلاع ملی کہ اہلِ مدینہ نے اس کی بیعت توڑ دی اور عاملِ مدینہ عثمان کو شہر سے باہر نکال دیا ہے' تو آگ بگولہ ہو جاتا ہے اور مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیتا ہے۔ یزید کو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حملہ کرنے والی شقی فوج کے لیے ایسے ظالم اور جابر سالار کی ضرورت تھی جو اس کے ظلم وستم کا مظہرِ کامل ہو۔ چنانچہ مثل مشہور ہے کہ ڈھونڈنے والا پا ہی لیتا ہے۔ یزید کی نگاہوں نے مسلم بن عقبہ جیسے شقی القلب کو کھوج نکالا۔ جس وقت یزید مسلم بن عقبہ کے پاس پہنچا اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے اور لوٹ مار کرنے کا ناپاک پروگرام پیش کرتا ہے تو باوجود اس کے کہ مسلم فالج کے اثر سے قریب قریب اٹھنے بیٹھنے سے معذور تھا لیکن جوشِ شقاوت سے اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے اور قسم کھا کر کہتا ہے کہ اے امیر (یزید)! آپ نے حصولِ مقصد کی خاطر اتنا صحیح انتخاب کیا ہے کہ مجھ سے بہتر کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا اور یہ اہم کام میرے علاوہ کوئی دوسرا انجام بھی نہیں دے سکتا۔

پہلے یہاں حرمِ مدینہ کے بارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرامین کا ذکر ہو جائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے:

❁ ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت دی اور اسے محترم بنا دیا اور میں مدینہ کو حرمت دے کر محترم بناتا ہوں۔ اب اس کے دونوں کناروں کے درمیان نہ تو خونریزی کی جائے اور نہ یہاں جنگ کے لیے ہتھیار اٹھائے جائیں اور جانوروں کی خوراک کے علاوہ یہاں کے

درختوں کے پتے نہ جھاڑے جائیں۔'' (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی:

- ''اے اللہ! تونے جتنی برکت مکہ کو عطا فرمائی اُس سے دگنی برکت مدینہ کو عطا فرما دے۔''
- ''جو کوئی اہلِ مدینہ کے ساتھ دھوکہ دہی کرے گا وہ اس طرح ختم ہو جائے گا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔'' (مسلم)
- جس نے اہلِ مدینہ کو اپنے ظلم سے خوفزدہ کیا اللہ تعالیٰ اسے خوف میں مبتلا کرے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتے اور سب لوگوں کی لعنت ہے قیامت کے دِن اللہ تعالیٰ نہ اس کی فرض نماز قبول فرمائے گا اور نہ نفل۔ (مسلم)

یزیدیت کے علمبردار حدیثِ قسطنطنیہ کے ساتھ ساتھ یہ احادیث مبارکہ بھی پڑھ لیں لیکن اُن کے دِل میں تو ایک بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

یزید نے تقریباً بیس ہزار پیدل اور سوار فوج مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں مدینہ منورہ کی جانب روانہ کر دی کہ اگر اہلِ مدینہ میری بیعت قبول کر لیں تو بہتر ہے ورنہ بلا روک ٹوک مسلمانوں کو قتل کرنا اور ان کا مال و اسباب لوٹ لینا اور کسی قسم کی رعایت نہ برتنا۔ خبیث مسلم خود تو انتہائی سنگدل جابر و ظالم تھا ہی لیکن یزید کے اس حکم نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس کی شقاوت و خباثت دوگنی ہوگئی۔ ہتھیاروں سے آراستہ یزیدی فوجیں مدینہ منورہ پر پوری قوت سے حملہ آور ہوئیں اہلِ مدینہ یزید کی ہتھیار بند فوجوں کے حملہ کی تاب نہ لا سکے۔

مسلم بن عقبہ نے مدینہ منورہ پر غلبہ پاتے ہی اپنی فوج میں اعلان کر دیا کہ اہلِ مدینہ میں جسے پاؤ قتل کر دو، جو سامان پاؤ لوٹ لو اور میں نے مدینہ کی مسلمان عورتوں کو تم پر حلال کر دیا۔ اس حکم کا سننا تھا کہ یزیدی کھل کھیلے۔ تقریباً سترہ سو (۱۷۰۰) مہاجرین و انصار صحابہ کرام اور تابعین عظام شہید کیے گئے، سات سو (۷۰۰) حافظِ قرآن، ۹۷ سردارانِ قریش اور تقریباً دس ہزار عام

مرد اور عورتیں اور بچے قتل کیے گئے۔ یزیدیوں نے عام مسلمانوں کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا وہ تو محتاجِ بیان نہیں۔ مقدس صحابہ کرام کے گھروں میں زبردستی داخل ہو کر وہ لوٹ مار مچائی اور بدتہذیبی اور بے حیائی کا وہ ننگا ناچ ناچا کہ ایک باغیرت انسان اس کے خیال سے کانپ اٹھتا ہے۔ یزید کے بے شرم اور بے غیرت فوجیوں نے مدینہ منورہ کی مقدس خواتین کی بالجبر عصمت دری کی اور ان کے دامنِ عفت و عصمت کو تار تار کر کے رکھ دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہزار عورتوں کے بطن سے ناجائز اولادیں ہوئیں۔

وہ مقدس مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس کے فرشِ خاکی کو قدمِ نازِ رسول ہی نہیں بلکہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روشن پیشانی چومنے کا بھی شرف حاصل ہے، جو نبی آخر الزماں کے باعظمت صحابہ کرامؓ کی مقدس عبادت گاہ ہے، یہاں ادا کی گئی نماز کا درجہ پچاس ہزار نمازوں سے افضل ہے، جس کا ایک ٹکڑا جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے آج یزیدی کتے اسی مسجد مقدس کے ستونوں سے اپنے گھوڑے باندھے ہوئے ہیں۔ کئی روز تک مسجدِ نبوی کتوں، بلیوں اور گھوڑوں کی لید سے آلودہ رہی۔

آج کے یزیدی جو یزید کی حمایت میں نہ جانے کتنے خود ساختہ باطل دلائل کا اظہار جا بجا کرتے پھرتے ہیں کیا یہ بتانے کی زحمت گوارہ کر سکتے ہیں کہ یزید کو عداوت تھی تو اہلِ مدینہ سے۔ اس لیے کہ انہوں نے اس کی بیعت سے انکار کیا تھا، لیکن مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے کیا نقصان پہنچایا تھا اس کی کون سی سلطنت پر قبضہ کر رکھا تھا جس بنا پر مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حرمت اور تقدس سے ایسا شرمناک گھناؤنا اور ناپاک کھیل کھیلا گیا جس کی نظیر رہتی دنیا تک نہ مل سکے گی اور یزید کی یہ کیسی مسلمانی تھی کہ ایک طرف خلافتِ اسلام کا دعویٰ اور مرکزِ اسلام مدینہ منورہ کی اسی کے ہاتھوں یہ ذلت و رسوائی!

حضرت سعید ابنِ مسیّب رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ جس وقت یزیدی مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

عزت اور حرمت پامال کر رہے تھے اس وقت میں ہی تھا جو دیوانہ وار مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے در و دیوار سے لپٹ لپٹ کر آنسو بہایا کرتا تھا۔ شامی مجھے دیکھتے اور ہنستے ہوئے یہ کہتے گزرتے کہ یہ دیوانہ یہاں نہ جانے کیا کرتا رہتا ہے۔ نماز کا وقت آتا تو روضۂ مقدسہ سے اذان اور تکبیر کی آواز آتی میں اسی سے اپنی نمازیں ادا کر لیتا تھا۔ یعنی یزیدیوں نے مسجد نبوی میں نماز کی ادائیگی بھی ممنوع قرار دے دی تھی۔

یزیدیوں کے کمینہ پن کی مثال شاید ہی مل سکے کہ جب لوٹتے کھسوٹتے حضرت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہٗ کے مکان میں پہنچے اور ان باعظمت جلیل القدر صحابیؓ کے یہاں کچھ نہ پایا تو آپؓ کی داڑھی کے بال نوچ لیے اور انہی بالوں کو لے کر چلے گئے۔

مدینہ اور اہلِ مدینہ پر مسلم بن عقبہ کے مظالم کی اجمالی داستان آپ نے پڑھی۔ اب یہ شقیٔ ازلی مدینہ منورہ سے جانبِ مکہ معظّمہ روانہ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یزید نے حکم دیا تھا کہ مدینہ منورہ سے نپٹنے کے بعد مکہ معظّمہ پر بھی حملہ کرنا۔

مسلم بن عقبہ ابھی مکہ معظّمہ پہنچا بھی نہیں تھا کہ راستہ ہی میں عذابِ الٰہی نے اسے اپنے خوفناک پنجے میں جکڑ لیا اس کا پیٹ مواد اور پیپ سے بھر کر تنور کی مثل پھول گیا اور اتنی تکلیف بڑھی کہ ہر وقت تڑپتا رہتا تھا اور ایسی شدت کی تڑپ کہ جس کے لیے ماہیٔ بے آب کی تڑپ کی مثال کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ غرضیکہ اسی تکلیف اور ذلت اور رسوائی کے ساتھ موت نے اسے وادیٔ جہنم میں دھکیل دیا۔ مرتے وقت اس نے یزید کے کہنے کے مطابق حصین ابنِ نمیر[1] کو اپنا چارج دے دیا۔

4۔ حرمِ مکہ اور خانہ کعبہ کی بے حرمتی

امیر معاویہؓ کے وصال کے بعد جب یزید تختِ حکومت پر قابض ہوا اور عاملِ مدینہ کے پاس

---

[1] یہ میدانِ کربلا میں یزیدی فوج میں بھی موجود تھا اور اسی کی سرکردگی میں ایک دستہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کے اصحاب اور اقربا پر تیروں کا مینہ برسایا تھا۔

اہلِ مدینہ سے بیعت لینے کے لیے احکام بھیجے تو اسی وقت سیّدنا عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ چلے آئے تھے اور اہلِ مکہ نے عاملِ مکہ کو نکال کر حضرت عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور انہی کو اپنا حاکم تسلیم کر لیا تھا۔

حضرت عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ آ گیا تو مختصراً آپ رضی اللہ عنہ کا اجمالی تعارف پیش ہے جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یزیدیت کیسی کیسی متبرک اور مقدس ہستیوں سے نبرد آزما ہوئی اور انہیں اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔

حضرت عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوب پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنتِ عبدالمطلبؓ کے پوتے اور سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے تھے۔ اُن کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنتِ ابوبکرؓ اور والد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تھے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حواری رسول کا لقب عطا فرمایا۔ جب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مسلمانانِ مکہ، مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تو یہودِ مدینہ کہتے تھے کہ مسلمانانِ مدینہ کی گود اولاد سے ہمیشہ خالی رہے گی اس لیے کہ ہم نے جادو کر دیا ہے۔

ہجرتِ نبوی کے بیس مہینوں کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلے جس بچہ کی پیدائش ہوئی وہ حضرت عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش سے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اور مسلمانانِ مدینہ کو انتہائی مسرت ہوئی تھی۔ سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا جب آپ رضی اللہ عنہ کو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لے کر حاضر ہوئیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی گود میں لے کر ایک کھجور دندانِ مبارک سے کچل کر آپؓ کے منہ میں ڈال دی اور تالو پر لگا دیا نیز دعاءِ خیر و برکت فرمائی۔

یزیدی فوجیں مدینہ منورہ میں اپنی کمینگی کا کھلا ہوا مظاہرہ کرنے کے بعد حصین ابنِ نمیر کی

سرکردگی میں مکہ معظّمہ پر حملہ آور ہوئیں۔ جس وقت یزیدی فوجیں مکہ مکرمہ پہنچیں پہلے تو حضرت ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ معظّمہ کے باہر ہی حملہ آوروں کا مقابلہ کیا لیکن حالات کو سازگار نہ پایا تو شہر میں واپس آ کر دروازے بند کرا لیے۔ یزیدیوں نے چاروں طرف سے مکہ معظّمہ کا محاصرہ کر لیا۔ ان کی نگاہِ بد میں نہ تو مدینۃ الرسول کی کوئی عظمت اور وقعت تھی اور نہ بیت اللہ شریف کی۔ یہاں بھی اپنی خباثت اور کمینہ پن کے اظہار میں کسر نہیں اٹھا رکھی۔ منجنیق کے ذریعہ خانۂ کعبہ پر مسلسل اتنی کثرت سے سنگ باری کی کہ صحنِ کعبہ میں ہر طرف پتھروں کے ڈھیر نظر آتے تھے۔ مسجدِ حرام کے کئی ستون شہید کر دیئے، غلافِ کعبہ جلا دیا، بیت اللہ شریف کے دروازے کا پردہ نکال کر آگ میں ڈال دیا۔ یہاں تک کہ وہ مینڈھا جو جنت سے حضرت اسمٰعیلؑ کے فدیہ میں آیا تھا اس کے دونوں سینگ خانہ کعبہ کی چھت میں لگے ہوئے تھے یزیدیوں نے ان کو بھی نہ چھوڑا جلا کر خاک کر ڈالا۔

غرضیکہ کئی دن تک خانہ کعبہ بغیر لباس کے رہا۔ اچانک ایک دن غیرتِ حق کے جلال کے آثار آسمان سے ظاہر ہوئے۔ انتہائی تیز اور پریشان کن ہوا چلنے لگی اور آسمان سے آگ برسنے لگی۔ جس منجنیق کے ذریعہ خانہ کعبہ پر سنگ باری کی جا رہی تھی وہ منجنیق اور اس کے چلانے والے سب کے سب جل کر خاک ہو گئے' ابھی یزیدی اس قہرِ الٰہی کو دیکھ کر سہمے ہوئے تھے کہ اسی دن ان کو یزید پلید کی موت کی اطلاع ملی۔ حصین ابنِ نمیر اور اس کے کمینے ساتھی ابھی خانہ کعبہ اور مکہ مکرمہ کی عزت و آبرو سے جی بھر کر کھیل بھی نہ سکے تھے کہ مرگِ یزید نے ان میں انتشار پیدا کر دیا۔ یزید کے شامی فوجی انتہائی سراسیمگی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے۔

☆☆☆☆☆

یزید نے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اہلِ بیتؓ کو شہید کیا۔ دخترانِ رسول کو ننگے سر بازار میں پھرایا اور توہین کی بلکہ حرمِ مدینہ اور حرمِ کعبہ کی توہین کا بھی مرتکب ہوا۔ اس کے حق

میں تو تاریخ کے پاس کوئی دلیل ہے ہی نہیں۔ پتہ نہیں کچھ لوگ دبی زبان اور کچھ سرِ عام یزید کو گناہ گار نہیں سمجھتے ہیں یہ حُبِ یزید اور بغض اہلِ بیتؓ ہے۔ اللہ اس سے بچائے کیونکہ جس نے اہلِ بیتؓ سے بغض رکھا اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بغض رکھا اور جس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بغض رکھا اس نے اللہ سے بغض رکھا، جس نے اہلِ بیتؓ سے دشمنی کی اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دشمنی کی جس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دشمنی کی اس نے اللہ سے دشمنی کی۔ کیا یہ مسلمان ہیں؟

●●●●●●●●●●●
○○○○○○○○○○○
●●●●●●●●●●●